کا تمام تر وقت عبادت وریاضت میں گزرتا ہے۔وہ دنیاومافیہا سے الگ تھلگ صرف یادالٰہی میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہے۔اس کا دھیان ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف لگا رہتا ہے۔اس سے اس کی روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

۷۔مساوات کا عملی مظاہرہ: اسلام مساوات کا علمبردار ہے اور حج کے موقع پر مساوات کا شاندار عملی مظاہرہ ہوتا ہے۔سب حاجی خواہ کوئی امیر ہو یا غریب' حاکم ہو یا محکوم' چھوٹا ہو یا بڑا ایک جیسا لباس پہنے' یکساں پابندیوں کے ساتھ ایک جیسے حالات میں رہتے ہوئے ایک جیسے مناسک حج ادا کرتے ہیں کسی بھی موقع پر کسی قسم کا امتیاز روا نہیں ہوتا۔

۸۔ اتحاد ملی: حج دنیا بھر کے مسلمانوں کے اتحاد و یگانگت کا مظہر ہے۔دنیا کے کونے کونے سے مختلف رنگوں' زبانوں اور نسلوں کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر مل جل کر رہتے اور مناسک حج ادا کرتے ہیں اس سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں یہ احساس اجاگر ہوتا ہے کہ وہ ایک ملت ہیں۔

۹۔ مرکزیت: حج مسلمانوں کی مرکزیت کی علامت ہے بیت اللہ شریف تمام مسلمانوں کا مرکز ہے۔دنیا بھر کے مسلمان اس ایک مرکز پر جمع ہوتے ہیں ایک مرکز ان میں وحدت کا احساس پیدا کرتا ہے۔

۱۰۔ شکوہ ملی کا اظہار: حج کے موقع پر دنیا بھر سے آئے ہوئے لاکھوں مسلمانوں کے ایک جگہ عظیم انسانی اجتماع سے مسلمانوں کے شکوہ ملی کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری تمام اقوام بھی محسوس کرتی ہیں مسلمان ایک عظیم ملت ہیں۔

۱۱۔ علمی و اقتصادی فوائد: حج سے علمی و اقتصادی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔بری' بحری اور ہوائی راستوں سے سفر کا تجربہ نئے علاقوں کی سیاحت مختلف علاقوں سے آئے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ تبادلہ خیالات سے انسان کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔حج کے موقع پر مکہ معظمہ اور اس کا نواحی علاقہ' شہر مدینہ منورہ عالمی منڈی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں مختلف مسلم علاقوں کی مصنوعات وہاں پہنچتی ہیں ان سے واقفیت حاصل ہوتی ہے وہاں ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور بعد ازاں مختلف مسلم ممالک میں باہم تجارت ہوتی ہے۔

۱۲۔ اخلاقی فوائد: حج سے متعدد اخلاقی ثمرات حاصل ہوئے ہیں تقویٰ' صبر و تحمل' استقامت و عزیمت وسعت نظری کا عام مظاہرہ ہوتا ہے۔پابندی وقت باقاعدگی ایک امیر کی اطاعت' اتحاد تنظیم اور باہمی اخوت و محبت حج کے فوائد ہیں۔

۱۳۔جغرافیائی معلومات: حج جغرافیائی معلومات کا ذریعہ ہے حج کے لیے ایک حاجی کو مختلف ممالک کی سیاحت کرنی پڑتی ہے خصوصاً ارض مقدس میں اسے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے مسلمانوں سے ملنے کا موقع ملتا ہے اور ان کے ملبوسات خورد و نوش کی اشیاء اور پیداوار سے آگاہی حاصل ہوتی ہے عالم اسلام کی افرادی قوت' مادی و معاشی وسائل کا علم حاصل ہوتا ہے جس سے اس کی جغرافیائی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

۱۴۔علمی فروع اور مسائل کا حل: حج کے موقع پر دنیا کے علمائے عظام اور مجتہدین کرام آپس

میں مل جل کر اپنے انقلابی فروعی اور علمی مسائل کو حل کر سکتے ہیں اور دنیائے اسلام علم و سائنس اور ریاست و قانون میں بلند مرتبہ حاصل کر سکتی ہے۔

اسلامی ضابطہ حیات کے پہلو

اسلام ایک مکمل نظام: اگر یہ مسلّمہ ہو کہ اس وقت رات نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت لازماً دن ہی ہے اس لیے جب یہ تحقیق ہوئی کہ اسلام نہ تو "رہبانیت" کو صحیح سمجھتا ہے نہ اس کا دائرہ انفرادی زندگی کے مسائل تک محدود ہے۔اسطرح اس کی نوعیت خود بخود متعین ہو جاتی ہے۔انسانیت کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو اس کے دائرے سے باہر ہو۔وہ ایک ایسا دین ہے جو ہر جگہ انسان کے ساتھ ہوتا ہے اور جو قدم بھی اٹھانا چاہتا ہے اس کی ہدایت کو سامنے موجود پاتا ہے۔ مکمل نظام ہے مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک ایسا مکمل نظام ہے جو انسانی زندگی کے اعتقادی' فکری' اخلاقی اور عملی تمام پہلوؤں کو گھیرے ہوئے ہے۔

ہوا کا کرہ: اس کی مثال کچھ اس طرح سے دی جا سکتی ہے کہ ہوا کا کرہ اس زمین کو چاروں طرف سے اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہے۔

اسلامی نظام کے مختلف اجزاء کا تعاف

1۔بنیادی عقیدہ: اسلامی نظام کا ہر جز ایک ہی مرکز سے وابستہ ہے۔ایک ہی روح ہے جو ان سب کے اندر دوڑ رہی ہے۔یہ مرکز اور یہ روح وہی ادعانیات اور عقائد ہیں جن پر اسلامی نظام کی بنیاد ہے۔

بنیادی عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا تنہا معبود' اصلی حاکم اور حقیقی قانون ساز ہے۔یہی بنیادی عقیدہ وہ جڑ ہے جس سے بالکل فطری انداز میں اسلام کا یہ پورا نظام نکلا ہے۔اس لیے اس نظام کے جس حصے کی بھی قدر و قیمت آپ سمجھنا چاہئیں تو اس کے صرف ظاہری ڈھانچے کو نہ دیکھیں بلکہ ضروری ہے کہ اس اس کی جڑ (بنیادی عقیدہ) سمیت دیکھیں۔

۲۔ مسلم معاشرے کا تصور: اس نظام کی کار فرمائی ایک ایسے معاشرے کے وجود پر موقوف ہے جو "مسلم" ہے۔

اللہ اور نبی پر ایمان: جسے اللہ اور اس کی صفات پر کہرا یقین ہو جو آخرت پر سچا ایمان رکھتا ہو اور جو محمد ﷺ کو دل سے اللہ کا نبی اور آخری نبی تسلیم کرتا ہو۔"مختصر یہ کہ جو صحیح معنوں میں اسلام کا پیروکار ہو"۔

اسلامی نظام کی قدر و قیمت: اس نظام کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اسے ایک ایسے ہی معاشرے کے ساتھ وابستہ کر کے دیکھا جائے ورنہ جس طرح ایک ماہر فن ہاتھ کے تصور کے بغیر کسی اچھی سے اچھی تلوار کی کاٹ کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اسی طرح ایک اچھے مسلم معاشرے کے تصور کے بغیر اسلامی نظام کی عملی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ بھی تقریباً ناممکن ہی ہے۔

۳۔ سب اجزاء ایک وحدت ہیں: اس نظام کے مختلف حصے آپس میں مضبوطی سے جڑے ہوئے ہیں بالکل اسی طرح ہے جس طرح کسی مشین کے مختلف پرزے باہم جڑے ہوتے ہیں۔

نظری طور پر سمجھنے کے لیے تو انہیں الگ الگ خانوں میں ضرور تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

عملی طور پر ان کا علیحدہ علیحدہ وجود قریب قریب ناممکن ہے۔

کارکردگی کے اعتبار سے: پنی کارکردگی کے اعتبار سے یہ سارے اجزاء دراصل ایک وحدت ہیں۔

عملی جوہر: ان میں کوئی بھی جزو اپنا عملی جوہر اسی وقت دکھا سکتا ہے جب تک یہ پورا نظام کل حرکت میں ہو۔ نہ صرف یہ بلکہ کسی جزو کو ٹھیک ٹھیک سمجھا بھی اسی وقت جا سکتا ہے جب کہ دوسرے تمام اجزاء نظروں کے سامنے ہوں۔

روحانی نظام:

اسلامی نظام کا سب سے اہم اور مرکزی جزو اس کا وہ حصہ ہے جس کا راست تعلق انسان کے اندرون سے ہے اور جسے عرف عام کے لحاظ سے اسلام کا روحانی نظام کہہ سکتے ہیں۔

روحانی نظام کا مقصد: اس کا مقصد یہ ہے کہ انسانی روح نفس کی غلامی سے آزاد اور دنیا پرستی کی آلودگی سے پاک ہو رہے اور ان چیزوں سے آزاد اور پاک ہو کر اللہ کی اطاعت اس کی محبت اور اس کی رضا جوئی کے جذبات سے سرشار ہو جائے۔

پاکیزگی اور خدا طلبی کا معیار: پاکیزگی اور خدا طلبی کا معیار مطلوب یہ ہے کہ انسان وہی کچھ پسند کرنے لگے جو اس کے اللہ کو پسند ہے اور ہر اس چیز کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے جو اس کے اللہ کو ناپسند ہو۔

حقیقی آقا کا خوف: اپنے حقیقی آقا کے حکموں پر اس طرح عمل کرنے لگے گویا وہ اسے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اس کی ناراضگی سے اس طرح ڈرتا رہے گویا اس کے تخت جلال کے سامنے کھڑا ہے۔

خدا کی رضا: خدا کی رضا کے لیے اس طرح ہمکنار رہے جیسے پیاسے پانی کی طرف لپکتا ہے اور اس کے اشاروں پر اپنی جان و مال قربان کر دینے کے لیے اس طرح تیار رہے جیسے ان چیزوں کی اس کی نگاہ میں کوئی قیمت ہی نہیں۔

معیاری مقام کا نام: روحانیت کے اس سب سے اونچے اور معیاری مقام کا نام اسلام کی زبان میں "احسان" ہے۔

روح کی پاکیزگی اور خدا طلبی کی کیفیت: اس کیفیت کو پیدا کرنے کے لیے اسلام نے جو بنیادی اور راست تدبیریں مقرر فرمائی ہیں وہ وہی ہیں جن کو ارکان اسلام کہا جاتا ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، انسانی روح میں پاکیزگی اور خدا طلبی کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔

اخلاقی نظام

کسی شخص کی روح میں پاکیزگی ہے یا گندگی، اس بات کی پہلی اور سب سے عام کسوٹی اس کے اخلاق ہوتے ہیں۔ باطن جس طرح کا ہوگا اخلاق بھی ویسے ہی ظہور میں آئیں گے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ عام طور سے انسان کے اخلاق ہی اس کی انسانیت کے آئینہ دار جانے جاتے ہیں۔ فطری ترتیب کے لحاظ سے روحانی نظام کے بعد اخلاقی نظام ہی کا نمبر آنا چاہیئے دین کا تعلق جہاں تک دین کا تعلق ہے۔ اس کا فیصلہ بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے حسن اخلاق کو بڑی زبردست اہمیت دی ہے۔ اتنی کہ ایک پہلو سے گویا وہی حاصل دین ہے۔ نبی اکرم کا فرمان ہے۔ "بعثت الا لم حسن الاخلاق" (مشکوۃ بحوالہ موطا) (ترجمہ) میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ حسن اخلاق کی تکمیل کروں۔ "البر حسن الخلق" (مسلم) (ترجمہ) نیکی حسن خلق کا نام ہے۔

اسلامی اخلاقیات: اچھے اور برے اخلاق کا فیصلہ کرنے والی اسلام میں ایک متعین اتھارٹی ہے اور وہ ہے اللہ و رسول ﷺ کی اتھارٹی۔ اچھا اخلاق وہی چیز ہوتی ہے جسے اللہ و رسول نے اچھا اخلاق قرار دے رکھا ہو۔ برا اخلاق صرف وہ چیز ہوتی ہے جسے اللہ و رسول نے برا اخلاق فرمایا ہو۔ اسلام میں اچھے اور برے اخلاق کا مسئلہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے کسی انسانی عقل یا تجربے کا محتاج یا منتظر بالکل نہیں۔

عام جائزہ: عام جائزے کی رو سے دیکھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ معروف اخلاقیات ہمیشہ سے اور ہر معاشرے میں رائج رہی ہیں اور وہ صرف اسلام ہی کی کوئی خاص چیز نہیں ہیں۔

اسلام کا مخصوص معیار: اسلام کا اپنا ایک مخصوص معیار بھی ہے اور مستقل نظام بھی۔ اچھے یا برے اخلاق کا تمام تر فیصلہ شریعت اپنے اصول اور مزاج کے مطابق خود کرتی ہے۔

مستقل بنیاد: اسلامی اخلاقیات کی ایک مستقل بنیاد ہے اور وہ سب کی سب اسلام کے بنیادی اصولوں کا راست ثمر ہیں۔ اس لیے وہ مستقل اور نا قابل تغیر بھی ہیں۔

بہترین انسانی صنعت: سچائی اور دیانت داری ہر حال میں بہترین انسانی صنعت رہے گی۔ انصاف اس وقت بھی ضروری ہوگا جب کہ اپنا نقصان ہو رہا ہو۔ وعدہ خلافی کسی دشمن سے بھی روا نہیں۔ غرض یہ اخلاقیات ہر حال میں اپنی جگہ قائم رہنے والی ہیں اور اسلامی اخلاقی قدریں کسی حال میں بھی بدلنے والی چیز نہیں۔ بنیادی نوعیت کی اخلاقیات: اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔ "احسن کما احسن الله الیک" (قصص ۷۷) (ترجمہ) لوگوں کے ساتھ بھلائی کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی۔

"والعاظمين الغيظ والعافين عن الناس" (آل عمران ۱۳۴) (ترجمہ) (ان متقیوں کے لیے) جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ "ان الله لا يحب كل خوان كفور" (حج ۳۸) (ترجمہ) بلاشبہ اللہ کسی دغاباز اور ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔ "ولا تبذر تبذيرا" (بنی اسرائیل ۲۶) (ترجمہ) اور فضول خرچی نہ کرو۔

"ولا تصعر خدك للناس ولا تمش في الارض مرحا ان الله لا يحب كل مختال فخور" (لقمان ۱۸) (ترجمہ) لوگوں سے باتیں کرتے وقت اپنے گالوں کو ٹیڑھا نہ رکھ نہ زمین پر اترا کر چل، کوئی شک نہیں کہ اللہ کسی مغرور اور شیخی باز کو بالکل پسند نہیں کرتا۔" "ويل لكل همزة لمزة" (ہمزہ ۱) (ترجمہ) ہلاکت ہے ہر طعنہ دینے والے اور عیب لگانے والے کے لیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ سچائی نیکی کی طرف اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور جھوٹ بدی کی اور بدی جہنم کی راہ دکھاتی ہے"۔ (بخاری و مسلم) "تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے"۔ (مشکوۃ) "ظلم کرنے سے بچو، کیونکہ ظلم قیامت کے دن اندھیاریوں کی شکل اختیار کرے گا"۔

خصلتیں: چار خصلتیں جس کسی کے اندر ہوں گی وہ پکا منافق ہوگا اور جس کے اندر ان میں سے کوئی ایک ہوگی اس کے اندر نفاق کی ایک صفت ہوگی۔ (وہ چار خصلتیں یہ ہیں)

اس کے اندر نفاق کی ایک صفت ہوگی۔ (وہ چار خصلتیں یہ ہیں)

۱۔ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو خیانت کر جائے۔
۲۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔
۳۔ وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔
۴۔ جھگڑے تو گالیوں پر اتر آئے۔ (مسلم)

''نرمی اختیار کرو، درشتی اور بدکلامی سے دور رہو''۔ (مسلم)

''چغلی کھانے والا جنت سے محروم رہے گا''۔ (مسلم)

''اللہ اس شخص پر رحم نہ کرے گا جو دوسرے لوگوں پر رحم نہیں کرتا''۔ (بخاری)

''دغاباز، بخیل اور احسان جتلانے والے جنت میں نہ جائیں گے''۔ (ترمذی)

انسانی زندگی کے چند مخصوص دائروں میں اخلاقیات کا کردار

۱۔ پہلا دائرہ (گھریلو زندگی): انسانی زندگی کا سب سے پہلا دائرہ اس کی گھریلو زندگی ہے۔ جہاں اس کا اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔

فطری محبت: ہر شخص کو اپنے اہل و عیال کے ساتھ فطری طور پر بڑی گہری محبت ہوتی ہے اور اس سے عموماً ان کے ساتھ ایثار اور قربانی کا سلوک بھی لازماً کرتا ہے۔ اسلام کہتا ہے'' کہ یہ سلوک محض ایک تقاضائے فطرت ہی نہیں بلکہ ایک دینی فریضہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے "فعاشرو هن بامعروف" (نساء ۱۹) (ترجمہ) اپنی عورتوں کے ساتھ بھلے طریقے سے رہو سہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "خیار کم خیار کم لنسار کم" (ترمذی) (ترجمہ) تم میں سے سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں اچھے ہیں۔ "استوصوا بالنساء خیرا" (بخاری و مسلم) (ترجمہ) عورتوں کے معاملے میں اچھے رویے کی وصیت قبول کرو۔

۲۔ دوسرا دائرہ (خاندانی زندگی): گھریلو زندگی کے آگے خدانی زندگی کا دائرہ آتا ہے۔ جہاں انسان کا واسطہ ماں، باپ اور بھائی بہن وغیرہ قریبی رشتہ داروں سے پیش آتا ہے۔

والدین کے ساتھ رویہ: اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم اپنی بندگی کے حکم سے ساتھ ساتھ دیا ہے۔ "واعبدو الله ولا شر کوا به شیئا وبالوالدین احسانا" (نساء ۳۶) مزید فرمایا "واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما کما ربیا فی صغیرا" (بنی اسرائیل ۲۴) ان کے لیے فروتنی کے بازوؤں کو رحم و شفقت سے جھکا دو اور دعا کرو کہ پروردگار! ان پر رحمت نازل فرما، جس طرح کہ انہوں نے (رحمت و شفقت کے ساتھ) مجھے بچپن میں پالا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''تمہارے والدین تمہاری جنت اور دوزخ ہیں''۔ (ابن ماجہ بحوالہ مشکوۃ ''جو نیکوکار اولاد اپنے والدین پر محبت اور شفقت کی نظر ڈالتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی ایک ایک نظر کے بدلے اسے ایک مقبول حج کا ثواب عطا فرماتا ہے''۔ (بیہقی، بحوالہ مشکوۃ) حد یہ ہے کہ اگر والدین خدانخواستہ کافر ہوں کافر ہی رہیں بلکہ سخت قسم کے دشمن اسلام کافر ہوں تو بھی ان کی خدمت اور دل داری حقوق اپنی جگہ باقی ہی

رہیں گے اور ضروری ہے کہ ان حقوق کو پورا کیا جائے۔ "وصاحبهما فی الدنیا معروفا" (لقمان ۱۵)

رشتے داروں کے ساتھ ہمہ گیر حسن سلوک: رشتے داروں کے ساتھ بھی ہمہ گیر حسن سلوک کی ہدایت فرما رکھی ہے۔ سورۃ نسا کے یہ الفاظ'' وبذالقربی'' جس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح والدین کے ساتھ ان کے مرتبے کے مطابق حسن سلوک کرنا چاہئے اسی طرح رشتے داروں کے ساتھ بھی کرنا چاہئے ان میں جو رشتے دار جتنا ہی زیادہ قرب کا رشتہ رکھتا ہوگا اس کے حقوق بھی اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔ "افک ثم ایاک ثم ادناک الادنک" (ترجمہ) اور ایک مومن کا فرض ہے کہ انہی کے مطابق ان سے سلوک کرے۔

صلہ رحمی: رشتہ داروں کے ساتھ اچھے سلوک کو اصطلاح میں ''صلہ رحمی'' کہا جاتا ہے۔ جن کے معنی ہیں خونی رشتوں کو جوڑے رکھنا اور اس کی پاس داری کرنا۔

بنیادی پتھر: قرآن حکیم نے صلہ رحمی کو انسانیت اور دینداری کا ایک بنیادی پتھر قرار دیا ہے اور اس کی بار بار تلقین کی ہے۔ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ ''صلہ رحمی ایمان کے لوازم میں سے ہے''۔ "من کان ینومن بالله والیوم الاخر کلیهل رحمة" (بخاری) (ترجمہ) جو کوئی اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔ "لایدخل الجنة فاطع" (بخاری) (ترجمہ) رحمی رشتے کاٹنے والا جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

۳۔ تیسرا دائرہ (پڑوس اور محلے دار): پڑوسیوں کے بارے میں ایک مسلمان کو جس طرح پیش آنا چاہئے۔ اس کی وضاحت کے لیے دو حدیثیں کافی ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ "مازال جبریل یوصینی بالجار حتی طننت انه سیور ته" (بخاری) (ترجمہ) جبریل مجھے پڑوسی کے حق میں برابر وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہو چلا کہ وہ اسے وارث بنا دیں گے۔ "لایدخل الجنة من لایا من جاره بوئقه" (مسلم) (ترجمہ) جس شخص کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے محفوظ نہ ہو وہ جنت میں نہ جائے گا۔

۴۔ چوتھا دائرہ (معاشرتی زندگی کا پھیلاؤ): یہ وہ دائرہ کار ہے جس کے اندر انسان کو مختلف قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے ان لوگوں سے اس کا جو رویہ ہونا چاہئے اصولی طور پر اس کا تعین قرآن مجید کے یہ الفاظ کرتے ہیں۔ "وبالوالدین احسانا وبذا لقربی والیتمی والمساکین والجار ذی القربی والنجار الجنب والقاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ریما لکم" (نسا ۳۶) (ترجمہ) اور اللہ نے حکم دیا ہے کہ اچھا سلوک کرنے کا والدین کے ساتھ نیز رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں، اجنبی ہمسایوں، پہلو میں بیٹھنے والے مسافروں اور غلاموں کے ساتھ۔ انسانی تعلقات کی رو سے ہر قسم کے لوگوں اور ہر قسم کے تعلق کے بارے میں یہ جامع ہدایت اوپر آیت میں موجود ہے کہ ''ان کے ساتھ ایک مسلمان کا رویہ لازماً احسان اور بھلائی کا ہونا چاہئے''۔

۵۔ پانچواں دائرہ (حکومتی دائرہ): تمام معاشرتی زندگی کے بعد حکومتی دائرہ آتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں ہر فرد کی سیاسی اور انتظامی پہلو سے بھی ایک متعین حیثیت ہوتی ہے یا تو وہ صاحب امر ہوگا یا مامور ہوگا۔ حاکم کا مقام رکھتا ہوگا یا رعایا کا۔ اگر وہ صاحب امر ہے اور حاکم کا مقام رکھتا ہے تو اپنی رعایا کے ساتھ جو رویہ ہونا چاہئے اس کی وضاحت اس ارشاد نبوی ﷺ سے ہوتی ہے۔

"مامن امیریلی امور المسلمین ثم لایجهد بهم ولا ینفع لهم الا لم یدخل هھم الجنة"
(مسلم)(ترجمہ) جوئی کوئی اوپر مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار ہوتے ہوئے بھی ان کے لیے منتقیس نہیں
جھیلتا اور نہ ان کی خیر خواہی کرتا ہے وہ ان کے ساتھ جنت میں نہ جائے گا۔ اور اگر رعایا ہے تو اسے اپنے حاکم کے ساتھ
جو طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے اس کا تعین یہ حدیث کرتی ہے۔ "الدین النصیحة قلنا لمن قال لله ولرسوله ولائمة
المسلمین وعا قهم"(مسلم) آپ ﷺ نے فرمایا "دین خیر خواہی اور وفاداری کا نام ہے"۔ پوچھا گیا "کس کی
وفاداری کا؟" فرمایا "اللہ کی اس کے رسول کی مسلمانوں کے امرا کی اور سارے اہل اسلام کی"۔

خیر خواہی اور خلوص کا تعلق: یعنی دینداری اور خدا پرستی کے تقاضوں میں یہ بات بھی لازما
شامل ہے کہ امراء کا رویہ اپنی رعایا کے ساتھ اور رعایا کا رویہ اپنے امراء کے ساتھ دونوں کا خیر خواہی اور خلوص کا ہو۔

۶۔ چھٹا اور آخری دائرہ (مسلمان کی زندگی کا): یہ وہ دائرہ ہے جو مسلم
معاشرے سے باہر کا ہوتا ہے اور جو غیر مسلموں کے ساتھ معاملات اور تعلقات کی بنا پر وجود میں آتا ہے۔ یہاں اسے
جس اخلاقی روش کا پابند رہنا چاہیئے اس کا بنیادی اصول اس آیت میں موجود ہے۔ "یاایها الذین امنو کونو قوا رمین
لله شهداء بالقسط والایجر تنکم سنان قوم علی الالقد لوا اعدلوا هوا مرب للتقوی (مائدہ ۸)
(ترجمہ) اے ایمان والو! اللہ کے دین کے لیے کھڑے ہونے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو اور کسی
گروہ کی دشمنی تمہیں انصاف سے ہرگز باز نہ رکھنے پائے عدل کرو یہی تقوی سے لگی ہوئی بات۔

بنیادی خطوط: اسلام انسان کی اخلاقی زندگی کی تعمیر ان ہی بنیادی خطوط پر کرتا ہے اور ایک مسلمان کی
زندگی اخلاق کے مستحکم ضابطوں سے بندھی ہوئی ہے۔

۳۔ معاشرتی نظام

ایک گھر کی محدود ترین اجتماعیت سے باہر جو ایک وسیع اجتماعیت ہوتی ہے اور جسے معاشرہ کہا جاتا ہے اس کے
بارے میں اسلام کے بعض بنیادی تصورات ہیں۔

معاشرے کی تفریق: معاشرے کے بارے میں اسلام کا کہنا یہ ہے کہ معاشرہ جن بے شمار افراد سے مل
کر بنا ہوتا ہے وہ سب کے سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوتے ہیں۔ "خلقکم من نفس واحده"(نساء۱)
اس لیے پیدائشی طور پر وہ سب برابر ہیں۔ ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں کوئی پاک اور ناپاک نہیں' کالے اور
گورے' ہندی اور عربی' آرین اور سامی' ایشائی اور یورپی' مشرقی اور مغربی' سب ایک سے' ایک درجے کے' اور ایک
طرح کے حقوق رکھنے والے انسان ہیں۔ نسل یا وطن یا رنگ یا زبان کی بنا پر ان میں کوئی تفریق نہیں ہو سکتی۔

تفریق کی بنیاد: تفریق کی صرف ایک ہی بنیاد ہے اور وہ ہے میں خود ہوں۔
ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو بجھ پر یعنی اللہ کے دین پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ گروہ اسلامی معاشرہ کہلاتا ہے۔
دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو اسے اپنا دین نہیں مانتے۔ یہ کافر یا غیر مسلم معاشرہ کہلاتا ہے۔

معاشروں کی بنیادیں: اسلامی اور غیر اسلامی معاشروں کی بنیادیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتی
ہیں جب بنیادیں مختلف ہوتی ہیں تو ان کے ڈھانچے بھی لازما ایک دوسرے سے مختلف ہی ہوتے ہیں اور زندگی کے اہم
تر معاملات میں ان کے اندر کوئی مفاہمت بھی نہیں ہوتی۔ مثلا نکاح کا رشتہ جو پورے نظام تمدن کی پہلی اینٹ ہے'
مسلمانوں اور غیر مسلموں میں قائم نہیں ہو سکتا نہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں۔

دین اور عقیدہ: دین اور عقیدے کی بنا پر اسلامی اور غیر اسلامی دو مستقل معاشرے بن جاتے ہیں۔ تو قدرتی
بات ہے کہ ان دونوں کے بارے میں اپنے پیروؤں کے لیے اسلام کے احکام بھی بہت کچھ مختلف ہی ہوں گے۔

غیر مسلم معاشرے کا اسلامی تعلیمات سے تعلق کا خلاصہ — اس کے افراد کے ساتھ سلوک عام
انسانی اخلاقیات مثلا عدل و انصاف' دیانت و امانت' رحم و شفقت' راست بازی اور ایفائے عہد وغیرہ کے مطابق رکھا
جائے اور ہرگز ان کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

مسلم معاشرے کے لیے ہدایت: مسلم معاشرے کے لیے اسلام نے بڑی مفصل اور واضح
ہدایتیں دی ہیں اور انہی کو اسلام کا معاشرتی نظام کہا جاتا ہے۔

ان ہدایتوں کا خلاصہ

۱۔ طبقاتی کشمکش کی بجائے بھائی چارے: افراد کے تعلقات کسی طرح کی گروہی یا
طبقاتی کشمکش کی بجائے بھائی چارگی' ہمدردی' تعاون اور ایثار پر قائم ہوں گے۔ ارشاد خداوندی ہے
"انما المنومنون اخوة"(حجرات ۱۰)(ترجمہ) مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔
بھائی چارے کی مزید وضاحت اس کی وضاحت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ان ارشادات سے ہوتی ہے "وہ اپنے
اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں' اگرچہ وہ خود فاقہ کی حالت میں ہوں"۔ (سورہ حجرات ۱۱۔۱۲)

اسلامی معاشرے میں افراد کے باہمی تعلقات کی نوعیت

کوئی گروہ کسی دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ ایک دوسرے پر
عیب نہ لگاؤ نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ بہت زیادہ گمان آرائیاں کرنے سے بچو۔۔۔اور کسی کا بھید نہ ٹٹولو نہ ایک
دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہو۔ (بخاری) "مومن ایک دوسرے کے لیے عمارت کی مانند ہوتے ہیں جس کا ایک جزو
دوسرے کا پشت پناہ ہوتا ہے"۔ (بخاری) "آپس کی محبت' رحم دلی اور شفقت میں مسلمانوں کا حال ایک جسم کا ہوتا ہے'
جس کے اگر ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔ (مسلم) "آپس میں حسد
نہ کرو' نہ نیلام میں محض دام چڑھانے کی خاطر بولی بولو' نہ ایک دوسرے سے کینہ رکھو' نہ ترک تعلق کرو اور نہ ایک
دوسرے کی بیع کے معاملے میں مداخلت کر کے اپنی بیع کا معاملہ کرنے کی کوشش کرو' بلکہ اللہ کے بندے اور بھائی
بھائی بن کر رہو۔ ایک مسلمان دوسرے کا بھائی ہوتا ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ
اس کو حقیر سمجھتا ہے۔ مسلمان کے خون کا احترام اس کے مال کا احترام اور اس کی آبرو کا احترام مسلمان پر فرض ہے"۔

ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں (۱) جب اس سے ملو تو سلام کرو۔ (۲) جب مدد کے لیے پکارے تو لبیک کہو (۳) جب تم سے خیر خواہی کا طالب ہو تو اس کی خیر خواہی کرو (۴) جب چھینکے اور چھینکنے کے بعد الحمد اللہ کہے تو یرحمك الله کہو (۵) جب بیمار پڑ تو اس کی مزاج پرسی کرے اور جب (۶) وفات پا جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرو"۔ (مسلم) "کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رہے"۔ (بخاری) "کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ دے یہاں تک کہ وہ نکاح کرے یا بات ختم کر دے"۔ (بخاری) "باہمی تعلقات کی خرابی سے پوری طرح بچتے رہو کیونکہ یہ چیز دین کا صفایا کر دینے والی ہے"۔ (ترمذی)

بھائی چارگی اور محبت کی کیفیت: بھائی چارگی اور محبت کی یہ کیفیت کسی غلط فہمی یا نفسانیت کے ہاتھوں جہاں کہیں ختم ہوتی نظر آئے دوسرے لوگوں کا فرض ہے کہ اصلاح حال کے لیے فوراً دوڑیں۔

"انما المومنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم" (حجرات ۱۰) (**ترجمہ**) مسلمانوں تو (سارے کے سارے) آپس میں بھائی بھائی ہیں پس (اگر کہیں) آپس میں رنجش پیدا ہو جائے تو اپنے دونوں بھائیوں میں صلح صفائی کرادو۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا "الا اخبركم بافضل من درجة الصيام والقنه والصلوة قال قلنا بلى قال اصلاح ذات البين" (ترمذی) (**ترجمہ**) کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتاؤ جو روزے، صدقے اور نماز سے بھی افضل ہے؟ صحابہ نے عرض کی "ہاں ضرور بتائیں ارشاد ہوا" آپ کے تعلقات کو ٹھیک کرنا"۔

۲۔ معاشرے میں بھلائی اور خدا ترسی: معاشرے میں بھلائی اور خدا ترسی کے کاموں کی ہمت افزائی کی جائے۔ نہ صرف ہمت افزائی کی جائے بلکہ ضروری ہے کہ لوگ ایسے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔

"نصا ونوا على البر التقوى" (مائدہ ۲) (**ترجمہ**) نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ ایسے کاموں میں ایک دوسرے کو برابر ابھارتے بھی رہنا چاہیے۔

"والمومنون والمنومنات بعضهم اولياء بعض يا مرون بالمعروف" (توبہ ۷۱) (**ترجمہ**) مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں وہ آپس میں نیکی کا حکم دیتے رہتے ہیں۔

۳۔ برائیوں کو کچلنا معاشرے کے اندر برائیوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ دیا جائے اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک طرف تو کسی بڑے کام میں کسی کی مدد نہ کی جائے۔ "ولا تعاونو اعلى ال ثم والعدوان" (مائدہ ۲)

(**ترجمہ**) دوسری طرف اپنی طاقت بھر ایسی حرکتوں سے باز رکھنے کی پوری پوری کوشش بھی کی جائے۔

"من راى منكم منكرا فليغيره بيده" (بخاری)

خدمت اور خیر خواہی: بری حرکتوں سے لوگوں کو باز رکھنا صرف معاشرے ہی کی خدمت اور خیر خواہی نہیں ہے۔ بلکہ خود اس شخص کی بھی خدمت اور خیر خواہی ہے جب یہ ہدایت فرمائی کہ "اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو چاہے مظلوم"۔ صحابہؓ نے پوچھا "اے اللہ کے رسول ﷺ! مظلوم بھائی کی بات تو سمجھ میں آتی ہے مگر یہ ظالم کی مدد کس طرح کی جائے گی"؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "نجزه او تمنعة من الظلم فان ذالك

نصرة" (بخاری) (**ترجمہ**) تم اسے ظلم کرنے سے روک دو کیونکہ یہی اس کی مدد ہے۔

۴۔ ہمہ جہتی تدبیریں: ان تمام سرچشموں کو بند رکھا جائے جن سے صنفی برائیاں ابل ابل کر معاشرے میں پھیل جایا کرتی ہیں۔ اس غرض کے لیے ہمہ جہتی تدبیریں اختیار کی گئی ہیں۔

(۱) زنا کو بدترین برائیوں میں شمار کیا گیا ہے "ومن يفعل ذالك يلق اثاما" (الفرقان ۶۸) (**ترجمہ**) اس کے خلاف پوری سوسائٹی میں شدید ترین نفرت کے انتہائی جذبات پیدا کر دیے گئے ہیں۔

"الزافى لا ينكج الا زافية اتشرلة والزانية لا ينكها الا زان اومشرك" (نور ۳)

(۲) زنا کے مرتکب کی سزا: زنا کے مرتکب کے لئے پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر ڈالنے یا سو درے لگائے جانے کی عبرت ناک اور دل ہلا دینے والی سزا رکھی گئی ہے اور اس سزا کے نفاذ کا طریقہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ وہ کھلے عام دی جائے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کی موجودگی میں دی جائے اور مارنے میں کسی مروت سے کام نہ لیا جائے۔ "ولا تاخذ كم بهما راصة ويشهد هذا بهما طائفة من المنومنين" (نور ۲)

(۳) عورتوں کا دائرہ کار: عام حالات میں گھر کی چار دیواری تک محدود کر دیا گیا ہے اور انہیں بلا ضرورت باہر نکلنے سے روک دیا گیا ہے۔ "وقرن فى بيوتكن" (احزاب ۳۳)

(۴) مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل جول سخت ممنوع ہے: بہت ہی قریبی عزاہ کے سوا کسی اور کے سامنے عورتوں کو بے حجاب آنے کی اجازت نہیں۔ "يدنين عليهن من جلا بيبهن" (احزاب ۵۹) اسی طرح انہیں اس بات سے بھی روک دیا گیا ہے کہ وہ خوشبو لگا کر یا آواز پیدا کرنے والے زیور پہن کر باہر نکلیں یا پردے کی آڑ سے بھی غیر محرم مردوں سے بلا ضرورت بات چیت کریں اور اگر بات چیت کرنا پڑ جائے تو لب و لہجہ میں کوئی لوچ پیدا کریں۔ "فلا تخفعن باالقول فيطع الذى فى قلبه مرض" (احزاب ۳۲)

(۵) عورتوں کو عریاں لباس پہننے کی ممانعت: عورتوں کو ایسے لباس پہننے یا ایسے طور طریقے اختیار کرنے کی سخت ممانعت ہے جو غیروں کے سامنے اظہار حسن کی تعریف میں آتے ہوں۔ ان عورتوں پر لعنت فرمائی گئی ہے جو اتنے باریک کپڑے پہنیں کہ جسم اندر سے جھلک رہا ہو یا مٹکتی ہوئی چلیں۔ "سناء ما سيات عاديات ما نلات فملات رنو تهس كاسمة البخت المائلة لا يد خلن الجنة ولا يجدن يحها" (مسلم)

(۶) شرم و حیا کی تاکید: شرم و حیا کی سخت تاکید کی گئی ہے اور اسے ایمان کا ایک ضروری جز قرار دیا گیا ہے۔ "الحياء شعبة من الايمان" (بخاری)

(۷) غیر مردوں / عورتوں کو دیکھنا ممنوع: مردوں اور عورتوں دونوں کو حکم ہے کہ ان کی نظر مقابل صنف پر پڑے تو اسے دیکھتے نہ رہیں بلکہ اپنی نظریں فوراً نیچی کر لیں۔ "قل للمنومنين يفضو من البصار هم و يخفظو افرو جهم وقل للمنومنات يفعض من ابصار هن ويحفظن فرو جهسن ولا يبدين زينتهن الا كاظهر فيها" (نور ۳۰، ۳۱) اسی طرح کسی کے گھر میں بلا اطلاع و اجازت اچانک نہ چلے جایا کریں۔

"يا ايهاالذين امنو لا تد خلوا بيوتا غير بيو قلم حتى يستا نسو وتسلمو على اهلها" (نور ۲۷)

(۸) بدکاری کے چرچے کرنا سخت منع ہے: کیونکہ اس سے معاشرے کی ذہنی پاکیزگی مجروح ہوتی ہے اور اس برائی کے خلاف لوگوں کی فطری اور ایمانی نفرت ہلکی پڑنے لگتی ہے۔ اس لیے ان لوگوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے جو اس طرح کے تذکرے کیا کرتے ہیں۔ "قل امتی معا فی الالمجاهدین" (بخاری)

(ترجمہ) یا معاشرے کو فواحش پسند دیکھنا چاہتے ہیں۔ "ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنو لهم عذاب الیم فی الدنیا والاخرة" (نور ۱۹)

(۹) نکاح کی ہدایت کی گئی ہے: اور جوانوں کے مجرد رہنے کو خاص طور پر سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ "من ساتفاع منکم الباء ة فلتزوج فانه اغض للبصر و احصن بلفرج" (مشکوۃ)

حکم ہے کہ جیسے ہی کوئی لڑکی جوانی کی عمر کو پہنچے مناسب رشتہ ملنے پر اس کا فوراً نکاح کر دو۔

"اذا جطب الیکم من ترضون دینه وخلقه فزوجوه الا تفعلوه لکن فتنة فی الارض و فساد عریض" (ترمذی) پھر اس نکاح کے معاملے کو بہت ہی سادہ اور آسان رکھا گیا ہے۔ بہت ہی قریب کے چند رشتوں کو چھوڑ کر باقی تمام لوگوں سے نکاح جائز ہے۔

ذات پات کا تصور: ذات پات کا فرق بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ "نکاح میں لوگ عورت کے حسب نسب کو اس کے حسن کو اور اس کی دولت مندی کو دیکھا کرتے ہیں مگر تم مسلمانوں کو اس کا صرف دین اور اخلاق دیکھنا چاہیے"۔ "فانظر بذات الدین" (مشکوۃ)

حق مہر اور جہیز میں اعتدال پسندی: کی ہدایت کی گئی ہے اور جہاں تک رسم نکاح کے انجام پانے کا سوال ہے وہ اتنی سادہ اور کم خرچ کی ہے کہ اس میں دشواری کا نام تک نہیں پایا جا سکتا۔ کسی مذہبی پیشوا یا حاکم کی ضرورت نہ کسی اور بات کی شرط دو گواہوں کے سامنے مرد اور عورت اپنی اپنی رضامندی کا اظہار کر کے خود ہی اس فریضے کو انجام دے سکتے ہیں۔

(۱۰) عادلانہ برتاؤ: کسی اخلاقی ضرورت یا معاشرتی مصلحت کا اگر تقاضا ہو تو عادلانہ برتاؤ کی قید کے ساتھ ایک کے بجائے چار نکاحوں تک کی بھی اجازت ہے۔ مثلاً بیوی کے فوت ہو جانے پر بچوں کی پرورش کا مسئلہ ہو یا کسی شخص کو صرف ایک بیوی کے ذریعے اپنی عفت کی حفاظت دشوار نظر آتی ہو۔

"فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی و ثلاث و ربع" (نساء ۳)

(۱۱) بیوہ عورتوں اور رنڈوے مردوں کو دوبارہ عقد کی اجازت:

بیوہ عورتوں اور رنڈوں کو پھر سے ازدواجی زندگی اختیار کر لینے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اسی طرح اگر لونڈی غلام موجود ہو تو حکم ہے کہ ان میں جو نکاح کے قابل ہوں ان کا عقد کر دو۔ "وانو لسوا لا یا حی منکم والصالحین من عبادکم و امائکم" (نور ۳۲) تاکہ معاشرے میں کوئی ایسا شخص جو جنسی خواہش اور قوت رکھتا ہو مجرد نہ رہ جائے ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ کسی معصیت کا شکار ہو جائے گا۔

(۱۲) حرام مشاغل سے احتراز کیا جائے: ایسے تمام مشاغل سے احتراز کیا جائے جو انسان

میں عموماً شہوت پرستی یا لذت پرستی کے رجحان کو اکسادیا کرتے ہیں یا اس کی عقلی قوتوں کو معطل اور اخلاق حسی کو مفلوج کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناچ گانے باجے شراب اور دوسری نشلی چیزوں کا استعمال حرام کر دیا گیا ہے۔

(۱۳) خرچ کرنے میں اعتدال: رہن سہن اور کھانے پینے میں اعتدال سے کام لیا جائے۔ چنانچہ مومن کی تعریف قرآن نے یہ کی ہے کہ وہ خرچ کرنے میں نہ اسراف سے کام لیتا ہے نہ بخل سے۔ "والذین اذا انفقوا لم تهر فوا ولم یقسرو و کان بین ذالک قواما" (فرقان ۶۷) ایک طرف آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی نعمت کا اپنے بندے پر اثر ظاہر ہوتا دیکھنا چاہتا ہے"۔ "ان الله یحبار ابری اثر نعمته علی عبده" (مسلم) دوسری طرف غرور یا فضول خرچی اور عیش پرستی کی روش اختیار کرنے سے بشدت منع فرماتے ہیں۔ مثلاً "کوئی ایسی پوشاک نہیں پہنی جا سکتی جو بوجہ غرور تخنوں سے نیچی ہو کر زمین پر گھسٹتی رہتی ہو"۔ "ومن جر ثوبه خیلاء لم ینظر الله الیه یوم القیامة" (مشکوۃ) سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ مرد ریشم نہ پہن سکتے ہیں نہ اس پر بیٹھ سکتے ہیں۔ "لها نا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان تشرب فی انیة الفضة والذهب وان ناکل فیها و عن بس الحریر والدیباج وان یجلس علیه" (مشکوۃ)

(۱۴) فطری دائرے: مرد اور عورت کی پیدائشی قوتیں اور ان کے کام کے فطری دائرے جس طرح الگ الگ ہیں اسی طرح ان کی وضع قطع بھی لازماً الگ الگ رہنی چاہیے۔ آنحضور فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر جو مردوں کا اور ان مردوں پر جو عورتوں کا رنگ ڈھنگ اختیار کرنے میں لعنت فرمائی ہے"۔ "لعن الله المشبهین من الرجال بالنساء المشبهات من النساء بالرجال" (بخاری)

(۱۵) صبر و تحمل اور وقار و متانت: کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ کسی عزیز کی موت انسان کے لیے بڑی صبر آزما چیز ہوتی ہے مگر حکم ہے کہ ایسے وقت بھی بے صبری اور جزع فزع کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ "وان لا نحمش وجها ولا ندعوا ویلا ولا نشق جیبا ولا فنشهر شعرا" (ابو داؤد) اسی طرح بڑی سے بڑی خوشی کے موقع پر بھی آپے سے باہر نہ ہونا چاہیے۔

"ولا تفرقوا بما اتله" (سورہ حدید ۲۳)

(۱۶) اخروی یا دنیوی فائدہ: ایسے کام نہ کیے جائیں جن کا کوئی اخروی یا دنیوی فائدہ نہ ہو۔ مومن کی بنیادی صفات میں سے قرآن مجید نے ایک صفت یہ بھی بتائی ہے کہ وہ بے فائدہ کاموں سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتا۔

"والذین هم عن للغو معرضون" (المومنون ۳)

نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ "کسی کے اچھے مسلم ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ لایعنی کاموں سے دور رہے"۔

"من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنه" (ترمذی)

(۱۷) غیر اسلامی معاشرے کی روح: ایسے طور طریقے نہ اختیار کیے جائیں جن میں کسی غیر اسلامی معاشرے کی کوئی خاص روح کام کر رہی ہو اور جن کو اپنا لینے کے بعد مسلمانوں کا تمدنی تشخص یا دینی مزاج مجروح ہو جاتا ہو۔ مثلاً حکم ہے کہ

۱۔ کوئی مسلمان بحیثیت مجموعی ایسی وضع نہ اختیار کرے، جو غیر مسلموں یا فاسقوں کے لیے مخصوص ہو ورنہ اس کا شمار ان ہی میں سے ہوگا۔ "من تشبہ بقوم فھو منھم" (ابو داؤد)

۲۔ داڑھی اور مونچھ کے معاملے میں مشرکوں کی مخالفت کرو۔ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھ کترا ؤ۔

"خالفوا المشرکین اوفروا اللحی واحفوا الشوارب" (بخاری)

۳۔ یہودی اور عیسائی اپنے سفید بالوں کو یوں ہی رہنے دیتے ہیں ان میں خضاب نہیں لگاتے، تم مسلمانوں کو ان کے خلاف طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے۔"ان الیھود والنصاری لایصبغون فخالفوھم" (بخاری)

(۱۸) مسجد: معاشرتی تعلقات کو استوار کرنے کے لیے مسجد کی حیثیت ایک مستقل ادارے کی سی ہے اور اسلام کا معاشرتی پروگرام مسجد ہی کے ذریعے زیادہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مسجدوں کی صحیح تنظیم کو بڑی اہمیت حاصل ہے تاکہ مطلوبہ نتائج پوری طرح حاصل ہو سکیں۔

(۱۹) احترام روایات: مسلم معاشرے کی روایات صحیحہ (عرف) کا احترام اور ان کا استحکام بھی معاشرتی پالیسی کا ایک جزو ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے مسلم معاشرہ کبھی بھی اپنے ماضی سے نہیں کٹتا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ روایات میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ زندگی کے ہمہ گیر تقاضوں کی بنا پر ان میں تبدیلی ضرور ہوتی ہے لیکن یہ تبدیلی مستقل اور خاموش ارتقا کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ کسی ہیجانی اور غیر معمولی بغاوت یا ماضی سے انقطاع کے ذریعے سے نہیں۔

(۲۰) نظام تعلیم: معاشرے کے سدھار اس میں اسلامی اقدار کے تحفظ اور اپنے نظام زندگی کو نئی نسلوں کی طرف منتقل کرنے میں نظام تعلیم بنیادی اہمیت کا حامل ہے اور اسلامی معاشرت کا ایک بہت بڑا ستون ہے۔

(۲۱) حدود و تعزیرات: معاشرے کی اصلاح کے تمام ذرائع اختیار کرنے کے بعد حدود و تعزیرات کا بھی ایک مکمل نظام رکھا گیا ہے جن کے ذریعے معاشرے کو ان افراد سے محفوظ کیا جاتا ہے جو تعلیمی، ترغیبی اور اخلاقی ذریعے سے اصلاح قبول نہ کریں اور معاشرے کے قانون کی خلاف ورزی کریں۔ اونچے سے اونچا شخص حتیٰ کہ حکمران وقت بھی قانون کا اسی طرح محکوم ہے جس طرح ایک بے کس فقیر۔ رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ قانون کی بالادستی کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے کہ "اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو خدا کی قسم میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا"۔

(۲۲) اجتماعی زندگی کی تعمیر و تشکیل: اسلام انفرادی اصلاح کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کی تعمیر و تشکیل کے لیے بھی واضح ہدایت اور سوچا سمجھا منصوبہ دیتا ہے۔ اس کے نزدیک معاشرے کی اصلاح اتنی ہی ضروری ہے جتنی خود ہر فرد کی اصلاح۔

عمومی طور پر: اسلام ایک ایسے معاشرے کا طالب ہے جو ہمہ گیر مصنوعی اختلافات سے پاک، تعصبات و مکروہات سے منزہ، نسل، رنگ، وطن اور زبان کی حد بندیوں اور جغرافیائی سرحدوں سے پرے، مساوات، اجتماعی عدل و انصاف اور ایک عالم گیر برادری کی بنیاد پر قائم ہو اور ایک فکری، اخلاقی نیز اصولی معاشرہ ہو جس کے افراد میں باہم ہمدردی، انسانیت اور مواساۃ کارشتہ ہو۔ مختصر یہ کہ اسلامی معاشرے کا مزاج حنیفی اور یک رنگ بنایا گیا ہے اور

مسلمانوں کا معاشرتی امتیاز ہر حال میں اور ہر پہلو سے نمایاں رہنا چاہیے ان کے لیے ایسی رواداری نہیں بلکہ ورانیت ہے جس اسلام اور غیر اسلام میں کوئی ادنیٰ سی بھی جوہری ہم رنگی ظاہر ہوتی ہو۔ اسلام صرف اس بات کا قائل ہے کہ سفیدی اور چیز ہے اور سیاہی دوسری چیز اس بات کا بالکل قائل نہیں کہ سفیدی اور سیاہی دونوں ایک ہی جیسی چیزیں ہیں۔

اسلام کا معاشی نظام

آج کی دنیا میں معاشیات کی اہمیت ناقابل انکار ہے۔ جو شخص اسلام کو جانتا ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی نگاہ میں انسان کا اصل مفاد اس کی آخرت کا مفاد ہے اسے آخرت ہی کے لیے جینا اور مرنا چاہیئے۔

مسلم کی پہچان: ہی یہ ہے کہ وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دے اور اسی کو اپنا اصل مرکز تو جہ بنائے رکھے یہ ایک روشن اور بدیہی حقیقت ہے۔

سورج سے بھی زیادہ روشن اور بدیہی

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام دنیا کی ان چیزوں کو سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں دیتا جو انسان کی مادی زندگی کے لئے مطلوب ہوتی اور ہو سکتی ہیں۔

انسان کی پیدائش کا مقصد: اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر انسان کی جو حیثیت قرار دی ہے۔ اس کی پیدائش کا جو مقصد بتایا ہے اس کے لیے جو شاہراہ مقرر کی ہے۔ ان ساری چیزوں کو دیکھتے ہوئے ایسا خیال کرنا کہ اسلام انسان کی مادی ضرورتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اسلام سے کھلی ہوئی ناواقفیت کی دلیل ہے۔

مومن اور مسلم محض روح نہیں: مومن اور مسلم محض روح کا نام نہیں بلکہ روح اور جسم دونوں کے مجموعے کا نام ہے اور ایک مسلمان کو اس دنیا میں اپنا فرض بجالانے، اپنا مشن پورا کردینے اور اپنے پروردگار کی رضا حاصل کر لینے کے لیے جو کچھ کرنا ہے اس کے لیے جسم اور جسمانی قوتیں بھی قطعی ضروری ہیں۔ ایسی حالت میں وہ سروسامان کیوں ضروری نہ ہوگا جس پر اس جسم کی اور ان جسمانی قوتوں کی بقا موقوف ہے اور جسے ہم انسان کی معاشی ضرورت کہتے ہیں چنانچہ پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ" (بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ) **(ترجمہ)** فرض عبادتوں کے بعد حلال روزی کا کمانا بھی فرض ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے سامان زیست کو جگہ جگہ مال اللہ (اللہ کا مال) طیبات (پاکیزہ چیزیں) نعمۃ اللہ (اللہ کی نعمتیں) فضل اللہ (اللہ کا فضل) کہا ہے۔

زندگی کی مادی ضرورتیں: غرض زندگی کی مادی ضرورتوں کو اسلام پوری اہمیت دیتا ہے اور چاہتا ہے۔ چاہتا ہی نہیں بلکہ اس کا پورا پورا اہتمام کرتا ہے کہ کوئی شخص ان سے محروم نہ رہ جائے۔ یہ اہتمام ہمہ گیر قسم کا ہے اور چار طرفی موثر تدبیروں پر مشتمل ہے۔

۱۔ ہر شخص کو اپنی روزی خود کمانے کی ترغیب و ہدایت۔

۲۔ کمانے اور خرچ کرنے کی ضروری آزادی اور ان پر ضروری پابندیاں۔

۳۔ حاجت مند افراد کی ضرورتیں پوری کرنے کے بارے میں دولتمندوں کو اخلاقی ہدایتیں۔

۴۔ حاجت مندوں کے بارے میں دولت مندوں کی قانونی ذمہ داریاں۔

ہر شخص کو اپنی روزی خود کمانے کی ترغیب وہدایت

۱۔ ہر انسان کو اپنی روزی کمانے کی کوشش ایک شرعی ذمے داری سمجھنا چاہئی نے "طلب کسب الحلال فریضة" اور کسی پر بار بننے کی بجائے اپنا رزق خود اپنا پسینہ بہا کر حاصل کرنا چاہیئے۔ "ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدیہ" (بخاری)

۲۔ بھیگ مانگنا معیوب ہے: بھیگ مانگ کر اپنی روزی چلانا سخت معیوب ہے اور جو شخص بھی کسی واقعی مجبوری کے بغیر دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے وہ حرام کماتا ہے اور حرام کھاتا ہے۔

"مما سواھن من المسئلة یا قبیعة سحت یا کلھا صاحبھا سحتا" (مسلم)

کمانے اورخرچ کرنے کی ضروری آزادی اوران پرضروری پابندیاں

۱۔ روزی کمانے کے سارے جائز ذرائع ہر شخص کے لیے یکساں طور پر کھلے رہیں گے۔ معاشی میدان میں جدوجہد کا سب کو مساوی حق حاصل ہوگا۔ یہاں اجارہ داری نام کی کوئی چیز نہ ہوگی، زراعت، تجارت، صنعت، ملازمت، غرض روزی کمانے کا کوئی جائز ذریعہ کسی شخص کے لیے ممنوع نہ ہوگا۔ ہر شخص اپنی صلاحیت اور اپنی پسند کے مطابق ذریعہ معاش اختیار کرنے میں بالکل آزاد ہوگا کیونکہ اس زمین پر روزی کمانے کے جتنے وسائل ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ خلق لکم ما فی الارض جمیعا" (بقرہ ۲۹)

اس لیے ان سے استفادہ کرنے کا اصولی طور پر سب کو یکساں حق حاصل ہے۔

۲۔ اپنی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے کا حق: زمین اور فضا کی ایسی تمام چیزوں سے جن کے پیدا کرنے اور کارآمد بنانے میں کسی انسانی محنت کا کوئی دخل نہ ہو سب لوگ اپنی ضرورت کے مطابق برابر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ حضورﷺ کا ارشاد ہے۔ "المسلمون شرفاء فی ثلث فی لماء دانکلاء والنار" (بحوالہ حجتہ اللہ البالغہ

تمام مسلمان تین چیزوں میں برابر کا حق رکھتے ہیں، پانی، گھاس اور آگ۔

اصولی ہدایت: گو کہ حدیث شریف میں پانی، گھاس اور آگ کا نام تو صرف تین چیزوں کا لیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک اصولی ہدایت ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام چیزیں اصلاسب کے لیے مباح ہیں جن کی پیدائش قدرتی طور پر آپ سے ہوتی ہو اور جن میں کسی شخص کی محنت نہ لگی ہو جیسا کہ ایک اور حدیث سے صاف واضح ہوتا ہے۔ آنحضرتﷺ نے اس شخص کے بارے میں جو ایسی چیزوں کے استعمال سے لوگوں کو روکے فرمایا ہے کہ "فیقول اللہ الیومہ افعک فضلی کما منعت فضل ما لم تعمل یداک" (بحوالہ حجتہ اللہ البالغہ)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے کہے گا کہ آج میں تمہیں اپنے فضل سے محروم رکھوں گا، جس طرح کہ تم نے لوگوں کو اس چیز کے "فضل" (یعنی باقی ماندہ حصے) سے محروم کر رکھا تھا جسے تیرے ہاتھوں نے بنایا اور تیار نہیں کیا تھا۔

عام استعمال کی چیزیں: دریاؤں، تالابوں اور چشموں کا پانی، جنگل کی لکڑی اور گھاس خودرو درختوں کے پھل، فضا کے پرندے، پانی کی مچھلیاں، صحرائی جانور، کھلی ہوئی کانیں، نمک کے ذخیرے وغیرہ ساری چیزیں عام استعمال کے لیے وقف رہیں گی۔

افتادہ اراضی کا معاملہ: بھی ایسا ہی جو چاہے اسے جوت کر اور تیار کر کے کاشت کر سکتا ہے کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ "عادی الارض اللہ ولرسولہ ثم ھی لکم منی" (بحوالہ حجتہ اللہ البالغہ)

۳۔ محنت اور قابلیت کا اجر: عام استعمال کی چیزوں میں سے جس قدر حصے کو بھی کوئی شخص اپنی محنت اور قابلیت صرف کر کے اپنے قبضے میں لے لے گا اس کا وہ مالک ہو جائے گا۔ اب اس سے وہ چیز چھینی نہیں جا سکتی۔ مثلاً نبیﷺ فرماتے ہیں "من احیی ارضا فیة مھی لہ" (بحوالہ حجة اللہ البالغہ)

جس کسی نے کوئی بنجر زمین قابل کاشت بنالی وہ اس کا مالک ہے۔

۴۔ معاش کے قدرتی ذرائع: کوئی شخص معاش کے قدرتی ذرائع کو اپنی ملکیت میں لا چکنے کے بعد اسے بیکار نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر تین برس تک اس نے کوئی زمین بے کار اور بے کاشت چھوڑے رکھی تو وہ پھر اپنی اصل حالت۔ مباح عام حالت۔ میں واپس لوٹ جائے گی۔ اور اس وقت جو شخص بھی چاہے گا اسے اپنے تصرف میں لا کر آباد کر سکے گا۔ "لیس لمحتجر حق بعد ثلاث سنین" (بحوالہ حجة اللہ البالغہ)

۵۔ دولت کو بڑھانے کی آزادی: ہر شخص کو آزادی ہے کہ اپنی دولت کو مزید دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے۔ تجارت اور صنعت دونوں چیزوں کی، جو دولت سے مزید دولت پیدا کرنے کی عملی شکلیں ہیں۔ شریعت نے بڑی ترغیب دی ہے اور ان کی بڑی فضیلتیں بیان کی ہیں۔

۶۔ دولت پر اخلاقی اور قانونی پابندیاں: دولت سے مزید دولت بلا روک ٹوک نہیں پیدا کی جا سکتی بلکہ اس پر چند زبردست اخلاقی اور قانون پابندیاں عائد ہیں اور وہ یہ ہیں:

(الف) صداقت اور دیانت: معاملہ کرنے میں بے لاگ صداقت اور دیانت ضروری ہے۔ گاہک کو دھوکا دینا اور اس سے اپنی چیز کا عیب چھپا رکھنا بڑا بھاری گناہ ہے۔ ارشاد نبویﷺ ہے کہ "جس نے دھوکا دیا وہ میرے لوگوں میں سے نہیں"۔ "من غش فلیس منی" (مسلم)

(ب) اپنی آمدنی بڑھانے کے لیے جھوٹی قسمیں کھانا بھی بڑی مصیبت کی بات ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ "ایسا شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے محروم رہے گا"۔

"ثلاثة لایعلمھم اللہ یوم القیامة ولا ینظر الیھم والمنفق سلعته بالحلف الکاذب" (مسلم)

(ج) سود کی ممانعت: سودی کاروبار کی، خواہ وہ کسی شکل میں ہو قطعی ممانعت ہے۔ سود لینا اور دینا بالکل حرام ہے۔ "احل اللہ البیع واحرم الربو" (بقرہ ۲۷۵)

نہ صرف حرام ہے بلکہ ایسا فوجداری جرم ہے جس کی حیثیت اسلام سے بغاوت اور اسلامی ریاست کے

خلاف اعلان جنگ کی ہے۔ "فاذنوا بحرب من الله ورسوله" (بقره ۲۷۹)

(د) مشترکہ کاروبار: کوئی ایسا مشترکہ کاروبار نہیں کیا جاسکتا جس میں ایک فریق کا نفع تو یقینی ہو لیکن دوسرے کا غیر یقینی اور مشتبہ ہو۔ ایسے سارے معاملات سودی کاروبار ہی کی تعریف میں آتے ہیں۔

(ہ) جوا حرام اور ناپاک فعل: جوا حرام اور ایک ناپاک فعل ہے۔

"انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه" (مائدہ ۹۰)

(ترجمہ) صرف یہ کہ معروف شکل کا جوا نہیں کھیلا جاسکتا بلکہ کوئی بھی ایسا کاروبار یا معاملہ نہیں کیا جاسکتا جس میں جوئے کی روح موجود ہو مثلاً سٹہ، لاٹری، لائف انشورنس وغیرہ۔

(ر) حرام چیزیں: جن چیزوں کا کھانا پینا حرام ہے (مثلاً شراب، خون، سور اور مردار وغیرہ) ان کی تجارت بھی حرام ہے۔ "ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام" (بخاری)

نہ صرف تجارت حرام ہے بلکہ ان کی قیمت بھی حرام ہے۔ "ان الله اذا حرم على قوم اكل شيئ حرم عليهم ثمنه"

(ز) کاروبار میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جاسکتا جن سے دوسرا افراد کو یا پورے سماج کو نقصان پہنچتا ہو۔

(۱) بھاؤ بڑھانا: بھاؤ بڑھانے کے لیے ضروریات زندگی کو روکے رکھنا سخت منع ہے اور ایسے تاجروں پر لعنت کی گئی ہے۔ "المحتكر ملعون" (بیہقی بحوالہ مشکوۃ)

(۲) منڈی کا سامان: اسی طرح منڈی میں آنے والے سامان تجارت کو آگے بڑھ کر راستے ہی میں خریدلینا جائز نہیں۔ "لا تلقوا الجلب" (مسلم)

(۳) وکیل یا ایجنٹ بن کر غلہ خریدنا: کسی شہری کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ کسی دیہاتی کا جو منڈی میں اپنا غلہ بیچنے لایا ہو وکیل اور ایجنٹ بن جائے اور اس کا غلہ زیادہ داموں بیچنے کے لیے اپنے پاس رکھ لے۔ "ولا يبيع حاضر لباد" (مسلم)

(ح) نزاع پیدا ہونے کا اندیشہ: کوئی ایسا لین دین نہیں کیا جاسکتا جس میں بیچنے والی چیز بیچنے والے کے اپنے قبضے میں نہ ہو کیونکہ اس سے نزاع پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور پھر یہی چیز آگے بڑھ کر سٹے کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس سے ضرورت کی چیزوں کا بھاؤ دیکھتے ہی دیکھتے کہیں سے کہیں پہنچ جایا کرتا ہے۔

"لاتبع ماليس عندك" (ابو داؤد)

(ط) ممنوع ذرائع: جس طرح روزی روزگار کے وہ طریقے ممنوع ہیں جو دوسروں کے مادی نقصان کا سبب بنتے ہیں۔ اس طرح وہ ذرائع بھی ممنوع ہیں جن سے لوگوں کو اخلاقی یا دینی نقصان پہنچتا ہو۔ مثلاً چیزوں کو تصویروں کو رقص وسرود کو فحش لٹریچر کی تیاری اور نشر واشاعت کو موجودہ قسم کے سینما کو اور اسی قماش کی دوسری چیزوں کو روزی کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا جاسکتا۔

(ی) فریقین میں نزاع کا خدشہ: لین دین کا کوئی ایسا معاملہ نہیں کیا جاسکتا جس کے سارے ضروری پہلو واضح نہ ہوں اور اس وجہ سے فریقین میں نزاع اٹھ کھڑی ہوسکتی ہے۔ "عن بيع الغرر" (مسلم)

اپنی ہی دولت خرچ کرنے پر اخلاقی اور قانونی پابندیاں

حدود وقیود کی پابندی کرتے ہوئے جو دولت بھی حاصل ہو وہ اگرچہ فرد کی اپنی ذاتی ملکیت ہوگی، جس کو وہ بطور خود خرچ کر سکے گا لیکن بطور خود خرچ کر سکنے کا یہ اختیار بھی غیر مشروط اور غیر محدود نہیں ہے۔ بلکہ اس پر بہت سی اخلاقی اور قانونی پابندیاں عائد ہیں

حکومت کی گرفت: اگر انسان نے خود پر عائد اخلاقی اور قانونی پابندیوں کو توڑا تو حکومت اس کا ہاتھ پکڑے گی اور اگر کہیں حکومت کی گرفت میں آنے سے بچ بھی رہا تو آخرت کی گرفت میں آنے سے تو بہرحال نہ بچ سکے گا۔

نمود و نمائش کی زندگی: معقول انداز کی ایک آرام دہ اور خوشحال زندگی تو ضرور گزاری جاسکتی ہے لیکن عیش پرستی کی، بدعتی کی، فخر وغرور کی اور نمود ونمائش کی زندگی ہرگز نہیں گزاری جاسکتی۔ حاجت مند افراد کی ضرورتیں پوری کرنے کے بارے میں دولت مندوں کو اخلاقی ہدایتیں روزی کمانے اور دولت پیدا کرنے کی آزادی اگرچہ سب لوگوں کو برابر کی حاصل ہے لیکن چونکہ پیدائش طور پر سارے افراد کو ذہن اور جسم کی قوتیں برابر کی نہیں ملی ہیں۔ بلکہ دن میں اس لحاظ سے بڑا بھاری تفاوت ہے۔ پھر حالات اور اتفاقات بھی سب کا یکساں ساتھ نہیں دیا کرتے۔ اس لیے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ تمام لوگوں کی معاشی جدوجہد کے نتائج ایک سے ہوں گے۔

معاشی ضرورتوں کی فراہمی: مشاہدہ بتاتا ہے کہ معاشرے کے کچھ افراد لاکھوں کے مالک بن گئے ہوں تو کچھ دو وقت کی روٹی بھی نہ پیدا کر سکے ہوں۔ حالانکہ ہر فرد کے لیے معاشی ضرورتوں کی فراہمی صرف دینوی ضرورت ہی نہیں دینی ضرورت بھی ہے۔

نوع انسانی کی حیثیت: اسلام یہ قرار دیتا ہے کہ وہ پوری کی پوری اللہ کی "عیال" ہے۔

"الخلق عيال الله" (مشکوۃ)

اگر ہم آپ اپنی اولاد کو بھوکا ننگا دیکھنا پسند نہیں کرتے تو یہ کسی طرح ممکن ہے کہ رؤف ورحیم خدا اپنی عیال کے کسی فرد کو ننگا بھوکا دیکھنا پسند کرے گا۔

معاشی جدوجہد: اسلام پورا زور دے کر کہتا ہے کہ معاشی جدوجہد میں ناکام رہ جانے والے افراد کی ضرورتیں وہ لوگ پوری کریں جو اس جدوجہد میں کامیاب ہوں یہ ان کی اور معاشرے کے اجتماعی نظام یعنی حکومت کی ذمے داری ہے کہ انہیں بھوکا ننگا نہ رہنے دیا جائے کیونکہ اس دنیا میں رزق کا جو سامان اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے وہ اس کے سارے باشندوں کے لیے اتارا ہے۔

معاشی دوڑ دھوپ: اگر اپنی اپنی معاشی دوڑ دھوپ کے نتیجے میں کسی وجہ سے کچھ لوگ اپنی واقعی ضرورت کے بقدر بھی نہیں کما پاتے اور کچھ اپنی ضرورت سے زیادہ کما لیتے ہیں تو ان کی یہ زائد کمائی دراصل ان کی اپنی ضرورت کی چیز نہیں ہوتی بلکہ یہ فی الواقع دوسروں کا حق ہوتا ہے جو ان کے پاس پہنچ گیا ہوتا ہے۔

دولت کی حیثیت: اس دولت کی حیثیت ایک امانت کی سی ہے جس کے وہ امین ہوتے ہیں ان امینوں کا

فرض ہے کہ اصل حق داروں کو ان کا حق اور ان کی امانت واپس کر دیں چنانچہ اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم نے صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ "وفی اموالھم حق للسائل والمحروم" (ترجمہ) ان کے مالوں میں سائلوں اور ناداروں کا حق ہوتا ہے۔(ذاریات ۱۹) معاشرے کے نادار اور محتاج افراد کو ان کا یہ "حق" پہنچا دینے کے بارے میں مال داروں کو جو اخلاقی ہدایتیں دی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ نیکی کا مقام: "لوگو تم نیکی کا مقام ہرگز نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنے محبوب مالوں کا ایک حصہ راہ خدا میں خرچ نہ کرو"۔ "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" (آل عمران ۹۲)

۲۔ ایمان کے منافی بات: یہ بات ایمان کے منافی ہے کہ کوئی شخص اپنا پیٹ بھر کے سوئے اور اس کا پڑوسی بھوک سے کروٹیں بدل رہا ہو۔ "لیس المومن بالذی یشبع وجارہ جائع الی جنبہ" (مشکوۃ)

۳۔ دولت مندی ایک کڑی آزمائش: بلکہ ایک خطرناک فتنہ ہے اور عام طور سے بدترین انجام کا سبب بنتی رہتی ہے۔ اس برے انجام سے صرف وہی لوگ بچ سکتے ہیں جو اپنی دولت کو اللہ کے محتاج بندوں پر اور دوسرے دینی کاموں میں بے دریغ خرچ کریں۔

۴۔ گھاٹے میں رہنے والے لوگ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ "رب کعبہ کی قسم! یہی لوگ سب سے زیادہ گھاٹے میں رہیں گے"۔ نبی ﷺ سے پوچھا گیا "یہ کون لوگ ہیں"؟ فرمایا "یہ دولت رکھنے والے ہیں انہیں سے صرف وہی لوگ اس حال سے محفوظ رہیں گے جو اپنی دولت راہ خدا میں برابر اور بے تکان دیتے رہتے ہیں اور ایسے لوگ زیادہ نہیں ہوتے"۔ (بخاری) حاجت مندوں کے بارے میں دولت مندوں کی قانونی ذمہ داریاں: حاجت مندوں کے اس "حق" کی اہمیت کے پیش نظر دولت مندوں پر ان اخلاقی ہدایتوں کے ساتھ ساتھ کچھ قانونی ذمے داریاں بھی عائد کی گئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ معاشرے کا اجتماعی نظم: ہر شخص کو جو نادار نہیں ہے سال بہ سال اپنی دولت اور اپنی پیداوار کا ایک خاص حصہ غریبوں کے قانونی حق کے طور پر لازماً دینا پڑے گا۔ معاشرے کا اجتماعی نظام ایک ایک فرد سے زکوۃ اور عشر کی یہ مقدار وصول کرے گا اور اسے غریبوں تک پہنچانے کا انتظام کرے گا۔ کوئی شخص زکوۃ اور عشر دینے سے انکار نہیں کر سکتا اور اگر کرے گا تو نہ صرف یہ کہ اپنی آخرت بگاڑ لے گا بلکہ دنیا میں بھی حکومت کے سخت ترین اقدام سے دوچار ہوگا۔

۲۔ زکوۃ اور عشر کی مقدار: اگر زکوۃ اور عشر کی یہ مقدار غریبوں کی ضرورتیں پوری کرنے اور دوسرے ملی کاموں کے لیے کافی نہ ہو سکے تو حکومت دولت مندوں پر مزید ٹیکس عائد کرے گی۔

۳۔ دولت کی مناسب تقسیم: جب کوئی شخص وفات پا جائے تو اس کی چھوڑی ہوئی دولت اس کے متعدد قریبی عزیزوں میں تقسیم کر دی جائے گی اور قریب کے عزیز موجود نہ ہوں تو دور کے رشتہ داروں میں بانٹ دی جائے گی۔ شریعت میں رشتہ کا مفصل قانون موجود ہے۔

۴۔ دولت کی گردش: دولت معاشرے میں چند جگہوں پر سمٹی رہنے کی بجائے مختلف سمتوں میں پھیلتی

رہتی ہے۔ جس سے ناداری کا حلقہ برابر سکڑتا رہتا ہے کیونکہ دولت کی گردش اور اس کی مناسب تقسیم کسی معاشرے میں معاشی اونچ نیچ کم کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہوتی ہے۔

سیاسی نظام

اسلامی نظام سیاست کی بنیاد دو سب سے زیادہ اساسی حقیقتوں پر مبنی ہے۔

(الف) اللہ تعالی کی ذاتی حیثیت: جو وہ اس پوری کائنات کے خصوصاً انسان کے مقابلے میں رکھتا ہے۔ جس طرح خالق و پروردگار ہونے کی ہے۔ اسی طرح اس کے حاکم حقیقی ہونے کی بھی ہے۔

(ب) انسان کی ذاتی حیثیت: جس طرح اللہ رب العالمین کی مخلوق اور پروردہ ہونے کی ہے اسی طرح اس کے غلام (عبد) اور اس میں پر اس کے نائب (خلیفہ) ہونے کی بھی ہے۔ ان دونوں اساسی حقیقتوں کو بنیاد قرار دیتے ہوئے اسلام نے سیاست کا جو نظام مقرر کیا ہے اس کے نمایاں خطوط یہ ہیں۔

۱۔ اقتدار اعلی اور حق حاکمیت ذات خداوندی: اقتدار اعلی اور حق حاکمیت اصلاً صرف اللہ کے لیے ہے۔ اس میں کوئی فرد یا کوئی خاندان یا کوئی طبقہ یا پوری نوع انسانی بھی ذرہ برابر اس کی شریک اور حصہ دار نہیں۔ انسان اس کی پیدائشی رعیت ہے۔ "ان الحکم الا للہ ذ امر الا تعبدوا الا ایاہ" (یوسف ۴۰)

۲۔ اصلی قانون ساز صرف اللہ ہے: اسی کا دیا ہوا آئین انسانی زندگی کا آئین اور اسی کا دیا ہوا قانون انسانی زندگی کا قانون ہے کسی بھی فرد یا ادارے کو بطور خود یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے یا کسی اور کے لیے آئین و قانون بنائے۔

۳۔ اللہ کا نبی نمائندہ اور احکام و مرضیات کا شارح: اللہ کا نبی اس دنیا میں اس کا نمائندہ اور اس کے احکام و مرضیات کا شارح ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی حیثیت بھی تحتی قانون کی سی ہے۔ اور اس کے دیئے ہوئے احکام بھی اسی طرح واجب الاطاعت ہوں گے جس طرح خود اصل قانون ساز یعنی اللہ تعالی کے ہوتے ہیں۔ "ماآتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا" (حشر ۷) (ترجمہ) اور رسول ﷺ کی اطاعت عین اطاعت الہی ہوتی ہے۔ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (نساء ۸۰)

۴۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پیروی: اللہ و رسول کے دیئے ہوئے احکام کی ٹھیک ٹھیک پیروی، اور ان کے بنائے ہوئے قوانین کے نفاذ کے لیے ایک اجتماعی نظم اور ایک حکومت ادارے کا قیام ضروری ہے۔

اصطلاح شریعت: میں اس اجتماعی نظم اور حکومتی ادارے کو 'خلافت' یا 'امامت' یا 'امارت' کہا گیا ہے۔ اور یہ بنیادی طور پر ایک فرد پر مشتمل ہوتا ہے جسے خلیفہ یا امام یا امیر کہتے ہیں۔

۵۔ اسلامی ریاست کا حق شہریت: اسلامی ریاست کا حق شہریت ہر اس شخص کو حاصل ہوگا جو اسلام پر ایمان رکھتا ہو۔ اسطرح صرف وہی مسلمان اس ریاست کے شہری نہ ہوں جو اس کی حدود میں پیدا ہوئے

ہیں بلکہ دنیا کے کسی بھی حصے کا رہنے والا مسلمان جیسے ہی اس ریاست میں آئے گا آپ سے آپ اس کا شہری بنا جائے گا۔"والمنومعون والمنومنات بعضهم اولياء بعض" (توبہ ۷۱)

۶۔ دوسرے درجے کے شہری: اسلامی ریاست کے اندر رہنے والے جو لوگ اسلام کو اپنا دین نہ مانتے ہوں گے وہ اس کے اصل شہری نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان کی حیثیت دوسرے درجے کے شہری کی ہوگی۔

اسلامی اصطلاح میں ان کو اسلامی اصطلاح میں "ذمی" کہا جاتا ہے اور یہ اس لیے کہ اسلامی ریاست از روئے معاہدہ ان کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کی ذمے دار ہوتی ہے۔ ذمیوں کے حقوق خلیفہ اور ریاست کی مرضی پر موقوف نہیں ہوتے کہ وہ جب چاہے ان میں کمی کردے۔ بلکہ اللہ و رسول ﷺ کی طرف سے طے شدہ ہوتے ہیں اور اسلامی حکومت ہر حال میں انہیں پورا کرے گی۔

۷۔ اللہ تعالی کے احکام و مرضیات کے مطابق نظام مملکت: خلیفہ کا کام یہ ہے کہ وہ حاکم حقیقی (اللہ تعالی) کے احکام و مرضیات کے مطابق لوگوں میں عدل قائم کرے اور ان کے حقوق کی حفاظت کرے ملک و ملت کا دفاع کرے اور سب سے آخری چیز یہ کہ اس منشاء کو پورا کرے جس کے لیے اللہ نے اسلام کو نازل کیا۔ نبی آخر الزمان ﷺ کو مبعوث فرمایا اور امت مسلمہ کو وجود بخشا۔ اس بارے میں وہ خدا اور خلق دونوں کے سامنے جواب دہ ہے۔

۸۔ مجلس شوریٰ: خلافت کی اس بھاری ذمہ داری کا حق ادا کرنے میں خلیفہ کی مدد کرنے کے لیے ایک مجلس شوریٰ ہوگی اور ضروری ہے کہ وہ مملکت کا نظم و نسق اس مجلس کے مشورے سے چلائے۔ نبی ﷺ کو اللہ تعالی کا یہ حکم تھا کہ وہ اہم معاملات میں اپنے اصحاب سے مشورہ لیا کریں۔ "وشاورهم فالامر" (آل عمران ۱۵۹)

۹۔ خلیفہ بننے کی اہلیت: خلیفہ وہ شخص بنتا ہے جسے اسلامی سوسائٹی اس بھاری ذمے ساری کا اہل سمجھتی اور اس کی خلافت پر راضی ہوتی ہے وہ انتخاب کے ذریعے برسر اقتدار آتا ہے اور اگر اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہ ثابت ہو تو معزول کر دیا جاسکتا ہے۔

بنیادی مقاصد: اگر یہ کوتاہی بھی خلافت کے بنیادی مقصد سے روگردانی کی حد کو پہنچ جائے تو ایسی شکل میں ملت کا فرض ہو جائے گا کہ اس کے ہاتھ سے خلافت کی امام فوراً چھین لے۔

۱۰۔ خلیفہ کا انتخاب: اس بارے میں شریعت نے کوئی لگا بندھا طریقہ اختیار کرنے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ صرف یہ کیا ہے کہ ایک طرف انتخاب کا مدعا بتا دیا ہے۔

دوسری طرف اس کے طریقے کے بارے میں ایک اصولی ہدایت دے دی ہے۔

اسلامی طریقہ: اس مدعا کو پورا کر دینے والا اور اصولی ہدایت سے مطابقت رکھنے والا انتخاب کا جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے گا وہ اسلامی طریقہ ہوگا۔

مدعا: تو یہ ہے کہ صرف ایسا شخص برسر اقتدار آئے جو اپنے علم، اپنے تقویٰ، اپنے تدبر اور اپنی صلاحیتوں اور عملی قوتوں کے لحاظ سے بحیثیت مجموعی سب میں بہتر ہو اور عام لوگوں کو اس کا اعتماد اور احترام حاصل ہو۔

اصولی ہدایت: یہ ہے کہ انتخاب بنیادی طور پر معاشرے کے صرف وہ لوگ کریں جو اپنی سوجھ بوجھ اپنی دینی وابستگی اور اپنی قوت فیصلہ کے اعتبار سے ملت کے "اولوالامر" یعنی ارباب حل و عقد اور سربراہ ہوں۔ باقی افراد یعنی عوام ان کی توثیق کریں۔ یہ اصولی ہدایت بھی درحقیقت اسی لیے دی گئی ہے کہ انتخاب کا مدعا زیادہ اچھی طرح حاصل ہو سکے۔

۱۱۔ خلافت کا منصب: حکومت کا کوئی بھی عہدہ کسی ایسے شخص کو نہیں دیا جاسکتا جو اسے طلب کرے یا اس کا خواہشمند ہو۔"انا والله لا نولی علی هذا العمل احدا اسئله ولا احد احرص علیه" (بخاری) اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں حکومت 'حق' نہیں ہے بلکہ 'ذمہ داری' اور 'امانت' ہے۔ "انها امانة" (مسلم) جس کی خدا کے سامنے بھاری جواب دہی کرنی ہوگی۔ "وانها یوم القيامة كزى وامة الا من اخذها بحقها وادى الذى عليه فيها" اس لیے کوئی صاحب احساس مومن اس کا طالب اور خواہش مند ہو کر اپنے آپ اس بات کی ہرگز جرات نہیں کرسکتا کہ کل خدا کے سامنے جب وہ حاضر ہو تو حساب دینے کے لیے اس کی ذمے داریوں میں ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں بندگان خدا کے حقوق ادا کرنے کی عظیم ترین ذمے داری بھی شامل ہو۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ "تجدون خيار الناس فی هذا الشان اشد هم له كراهية" (مسلم) اور اگر کوئی شخص کسی عہدے کی طرف از خود لپکتا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسے اس فریضے کی نوعیت کا احساس ہی نہیں ہے اور ظاہر ہے جسے کسی کام کی نوعیت کا احساس ہی نہ ہو وہ اس کو صحیح طریقے سے انجام بھی نہیں دے سکتا۔

۱۲۔ خلافت تسلیم کرنے سے انکار: کسی فرد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ منتخب ہونے والے کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کرے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اسلام کی شاہراہ سے ہٹ کر جاہلیت کی راہ پر جا پڑے گا۔

ومن مات وليس فى عنقه بيعة مات متة جاهلية" (مسلم جلد دوم) کیونکہ یہ انکار دراصل ایک فرد کی خلافت کا انکار نہیں ہے بلکہ پوری اسلامی ریاست کا انکار اور اس کے خلاف بغاوت کا اعلان ہے۔

۱۳۔ خلیفتہ المسلمین کے احکام کی اطاعت: ہر فرد پر شرعاً لازم ہے کہ خلیفتہ المسلمین کے احکام کی اطاعت کرے۔ "اطيعوالله واطيعو الرسول واولى الامر منكم" (نساء ۵۹) اس کی طاعت سے انکار خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت سے انکار ہے۔ لیکن اگر وہ کسی معصیت کے کام کا حکم دے تو ایسی حالت میں اس کی اطاعت نہ کرنا لازم ہے۔ "فان امر بمعصية فلا سمع ولاطاعة" (مسلم جلد دوم)

خلیفتہ المسلمین کی خیر خواہی: خلیفتہ المسلمین کا صرف یہی حق نہیں ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ دل سے اس کی خیر خواہی کی جائے۔ یہ اسلام اور دین داری کا عین تقاضا ہے۔

"والذين النصيحة قلنا لمن قال لله والرسوله والائمه المسلمين" (مسلم)

۱۴۔ خلیفہ اور ماتحتوں کا حساب: عوام کا حق ہے بلکہ ان کی ذمے داری ہے کہ وہ خلیفہ اور اس کے ماتحتوں پر احتساب کی کڑی نظر رکھیں۔ وہ جہاں بھی غلطی کرتے پائے جائیں فوراً ٹوک دیے جائیں اور اگر غلط راہ چلیں تو ہر مناسب کوشش اختیار کر کے انہیں سیدھی راہ چلنے پر مجبور کر دیا جائے۔

اپنے احتساب کا تقاضا کرنے کی مثال: حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد لوگوں کو ان کی یہ

ذمے داری یاد دلاتے ہوئے ان سے اس احتساب کا خود تقاضا کیا تھا۔ " ان زغت فتو صوفی" (طبری)

۱۵۔ خلیفۃ المسلمین اور اس کی مجلس شوریٰ کی ذمہ داری: جن مسائل اور معاملات کے بارے میں اللہ و رسول ﷺ کے واضح احکام موجود نہ ہوں گے ان کے لیے قوانین بنائے جائیں گے یہ قوانین خلیفۃ المسلمین اور اس کی مجلس شوریٰ بنائے گی۔

۱۶۔ اظہار رائے کی آزادی: اسلامی ریاست ہر شخص کی، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار ہوگی۔ اس طرح ہر شخص کو عبادت اور ضمیر کی پوری پوری آزادی حاصل ہوگی۔

اظہار رائے پر پابندی: اظہار رائے پر صرف اتنی پابندی ہوگی کہ ریاست کے خلاف بغاوت کی تلقین نہ کی جا سکے گی اور نہ اس طرح کی باتیں کی جا سکیں گی جو ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے والی یا اخلاقی گراوٹ پیدا کرنے والی ہوں۔ کسی شخص کا جرم ثابت کیے بغیر اس کی آزادی نہ چھینی جا سکے گی۔

۱۷۔ اسلامی ریاست کے قیام کا منشا قرآنی آیات کی رو سے: اسلامی ریاست کے قیام کا منشا اور حکومت کا فریضہ بہت بلند اور بہت وسیع ہے۔ اس کے بنیادی نکات قرآن حکیم کی یہ آیتیں متعین کرتی ہیں۔ "لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید" (حدید ۲۵) (**ترجمہ**) ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اتارا۔ "یاداؤد انا جعلنا خلیفۃ فی الارض ماحکم بین الناس بالحق" (ص ۲۶) (**ترجمہ**) اے داؤد! ہم نے تجھے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے سو لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرو۔ "الذین ان ملنا ھم فی الارض اقا ھوالصلوۃ واتوالزکوٰۃ وامرو بالمعروف و نھو عن المنکر" (حج ۴۱) (**ترجمہ**) یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، معروف (نیکی) کا حکم دیں گے اور منکر (برائی) سے روکیں گے۔

پہلی دو آیات: اسلامی حکومت کے قیام کا عمومی مقصد واضح کرتی ہے۔

تیسری آیت: اس کا خصوصی مقصد واضح کرتی ہے۔

پہلی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کا کام معاشرے میں انصاف قائم کرنا ہے اور یہ وہ مقصد ہے جس کے لیے پہلے کم از کم اپنے ارادے اور وعدے کی حد تک عام طور سے حکومتیں قائم ہوا کرتی ہیں اور جو ایک حکومتی نظام کے وجود کو ناگزیر ٹھہراتا ہے۔

تیسری آیت: عمومی مقصد پر ایک اضافہ کرتی ہوئی اسلامی حکومت کا منشا یہ بتاتی ہے کہ معاشرے کو

(۱) نماز قائم کرنے والا

(۲) زکوٰۃ دینے والا

(۳) معروف سے خود محبت رکھنے والا اور دوسروں کو اس کا حکم دینے والا۔

(۴) منکر سے خود رکنے اور دوسروں کو اس سے روکنے والا بنایا جائے۔

اسلامی حکومت کا خاص اور امتیازی مقصد: یہ وہ مقصد ہے جو اسلامی حکومت کا خاص اور امتیازی مقصد ہے اور جو کسی اور جگہ لفظوں اور دعووں کی حد تک بھی نہیں پایا جا سکتا۔ اس مقصد کے چاروں بنیادی نکات (اقامت نماز، ادائے زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) پر مشتمل ہے۔

یہ دراصل پورے دین کے قائم رکھنے، اس کی برکتوں کے دائرے کو بڑھاتے رہنے اور معاشرے کو صحیح اسلامی معاشرہ بنائے رکھنے کی ایک بھاری ذمہ داری اور ان تھک کوشش کا دوسرا نام ہیں۔

قانونی نظام

اسلامی نظام قانون کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ یا پھر یوں کہہ سکتے ہیں کہ

"قانون کے اصل سرچشمے دو ہیں"۔

(۱) قرآن اور سنت: ان کے اندر جس قدر قوانین واضح شکل میں موجود ہیں وہ قطعی اور اٹل ہیں اور ہمیشہ کے لیے واجب التسلیم اور واجب الاطاعت ہیں۔

ردوبدل: ان میں کبھی کوئی معمولی ردوبدل بھی نہیں ہوسکتا۔ نہ کوئی خلیفہ نظم حکومت چلانے میں ان سے بال برابر انحراف کر سکتا ہے۔ نہ کسی حاکم کے لیے جائز ہے کہ معاملات کا فیصلہ ان سے ہٹ کر کرے ایسا کرنا اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے۔ "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون" (سورہ مائدہ ۴۴)

(۲) ضروریات وقت کے مطابق قوانین وضع کرنا: جن مسائل اور معاملات میں واضح احکام قرآن و سنت میں موجود نہ ہوں ان کے لیے حالات زمانہ اور ضروریات وقت کے مطابق قوانین وضع کیے جائیں گے۔

قانون وضع کون کرے گا: یہ قانون وہ لوگ وضع کریں گے جو اپنے علم و تقویٰ، اپنی دینی بصیرت، اپنی قانونی مہارت اور فہمیات زمانہ سے اپنی گہری واقفیت کی بنا پر اس کے اہل ہوں گے۔

دین کے مزاج اور شریعت کے متعینہ مقاصد: یہ قانون سازی جس طرح عام نہ ہوگی، بلکہ صرف انہی امور میں ہو سکے گی جن کے بارے میں کتاب و سنت کے واضح احکام موجود نہ ہوں۔ اسی طرح آزادانہ بھی نہ ہوگی بلکہ دین کے مزاج اور شریعت کے متعینہ مقاصد کے تحت ہی ہوگی اور کتاب و سنت کے واضح احکام کو سامنے رکھ کر انہی کی بنیاد پر کی جائے گی۔

قیاس: قوانین بنائے جانے کو "قیاس" کہتے ہیں قیاسی احکام و قوانین کی حیثیت قطعی اور اٹل اور ناقابل اختلاف احکام شریعت کی نہیں ہوتی بلکہ ان میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے اور تبدیلی کی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے۔

اختلاف کے لیے ممکن ہے: اختلاف اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ انسانی فہم و رائے کا معاملہ ہے جس میں اختلاف کا ہونا فطری بات ہے۔

تبدیلی کیسے ممکن ہے: تبدیلی کی ضرورت اس لیے پیش آ سکتی ہے کہ قیاس اور اجتہاد میں زمانے

1. توحید و رسالت: اسلامیات کا نصاب ایسی سرگرمیوں پر مشتمل ہو جو طلباء کا توحید و رسالت پر ایمان اور یقین مستحکم کرے، اور ختم نبوت کو سمجھا جائے۔

2. دین مکمل: اسلام کو مکمل دین کی حیثیت سے پیش کیا جائے یعنی زندگی کے ہر پہلو پر مکمل تعلیمات اسلام میں موجود ہیں۔

3. تزکیہ نفس: ایسی سرگرمیاں شامل کی جائیں جو طلباء میں نظری اور عملی طور پر تزکیہ نفس پیدا کریں اور انہیں اخلاقی برائیوں سے محفوظ رکھ سکیں۔

4. متفق امور: مسلمانوں میں فرقہ پرستی لعنت ہے نصاب میں ایسے امور شامل ہوں جو تمام مکاتب فکر کے نزدیک متفق ہوں۔

5. حقوق اللہ اور حقوق العباد سے آگاہی: نصاب ایسا ہو جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سے مکمل آگاہی ہو۔

6. اخلاقی تعلیمات کا فروغ: نصاب میں اخلاقی تعلیمات کو فروغ دینے سے متعلق تعلیمات شامل کی جائیں تاکہ طلباء میں یہ خصوصیات پیدا ہوں۔

- طلباء فتنہ فساد سے گریز کریں۔
- ذاتی مفاد کو قومی مفاد پر ترجیح نہ دیں۔
- قرآن وسنت کے احکامات پر عمل پیرا ہوں۔
- پاکستان بطور فلاحی مملکت کا تصور ان کے ذہن میں ہو۔
- اپنی خامیوں سے آگاہ ہوں اور انہیں دور کر سکیں۔
- روزی کمانے کے جائز ذرائع اختیار کریں۔
- عمدہ اخلاق کے مالک ہوں۔
- اسلامی رواداری سے کام لے سکیں۔
- جو اپنے لئے پسند کریں وہ دوسروں کے لیے بھی چاہیں۔
- عالم باعمل بن کر زندگی بسر کر سکیں۔
- محب وطن اور روشن ضمیر بنیں۔

7. عملی زندگی میں مسائل کا حل: نصاب اسلامیات، خصوصاً ثانوی سطح پر زندگی کے عمومی مسائل کا حل، سیاسی، معاشرتی مسائل کا حل پیش نظر رکھا جائے۔

8. ذوق جمالیات کا فروغ: نصاب میں ایسی سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے جیسے فن خطاطی، فن قرات، نعت خوانی، تقاریر، جن سے بچوں کے ذوق جمالیات میں اضافہ ہو۔

9. مربوط نصاب اسلامیات: اسلامیات کا مضمون کوئی الگ شے تصور نہ کیا جائے بلکہ اس کا ربط تمام مضامین سے ہو۔

10. ترقی پسند: بعض لوگ اسلامیات کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ جبکہ مذہب اسلام تدبر و تفکر اور اچھی چیزوں کے حصول پر زور دیتا ہے۔ اس لئے نصاب میں وسعت نظری پیدا کی جائے اور نصاب اس انداز میں ترتیب دیا جائے جس میں ظاہر ہو کہ اسلام دنیا کو امن وسکون مہیا کرتا ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن ایک ارتقائی عمل ہے اور دنیا کی مثالی تہذیب اسلامی تہذیب ہے۔

ثانوی کلاسز میں تدریس اسلامیات کے مقاصد

تقریباً ہر تعلیمی پالیسی میں اسلامیات کی تعلیم پر زور دیا گیا ہے خصوصاً تعلیمی پالیسی 1972 تا 1980ء میں اس سلسلے میں چند اہم اقدامات بھی کئے گئے ہیں۔ مختلف قسم کے مضامین پڑھانے کی غرض وغایت جب سامنے ہوتی ہے تو اسلامیات جیسے اہم اور حقیقی علم پر مبنی مضمون کے پڑھانے کے بعد چند اہم مقاصد ہیں یہ حسب ذیل ہیں۔

1. رضائے الٰہی کا حصول: امام غزالی کے نزدیک تعلیم کا اہم مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے اور یہ مقصد تدریس اسلامیات کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا۔ تخلیق انسانیت کا مقصد اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت قرار دیا ہے فرمایا: **ترجمہ:** "ہم نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔" چنانچہ امام غزالی نے علم محمود اور علم مرموم کی در جہ بندی کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ وہ علم جو مخلوق خدا کو خدا سے نزدیک کرے علم محمود ہے اور جو علم بندہ اور خالق کا فاصلہ زیادہ کرے وہ مرموم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اسباب سے وابستہ ہے کہ ہماری زندگی میں اللہ کے احکامات زیادہ سے زیادہ آجائیں ثانوی جماعت میں بچے جوانی کی حدوں کو چھو رہے ہوتے ہیں اس لئے انہیں احکامات الٰہیہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی حقیقت سے آگاہ کیا جائے۔ انہیں حلال وحرام کی تمیز سکھائی جائے انہیں اسلامی تعلیمات، تاریخ الاسلام سے مناسب طور پر رغبت دلائی جائے تاکہ ان کے پختہ ذہن میں اسلامی تعلیمات کا زریں نقشہ نقش ہو جائے اور وہ سچے مسلمان اور عاشق رسول بن جائیں۔ ان میں قرآن وحدیث سے محبت اور ہدایت حاصل کرنے کا جذبہ ایسا پیدا ہو کہ بعد میں وہ اس میدان میں بڑھتے جائیں اور بڑھتے جائیں۔

2. احکام شریعت کا علم: بحیثیت مسلمان شرعی احکامات کا علم ہونا بہت ضروری ہے۔ اکثر لوگوں کو وضو، غسل، نماز کے فرائض، واجبات سنتیں نہیں آتیں، تدریس اسلامیات کے ذریعہ ثانوی جماعتوں میں ہی طلباء کو دین سے متعلق بنیادی معلومات فراہم کی جاتی ہیں علم ایک روشنی ہے اور اس کے ذریعہ جہالت کا اندھیرا دور ہوتا ہے۔ مگر شرعی امور پر چلنے کے لئے ان کا ادراک ضروری ہے۔ کیونکہ علم کے بغیر آدمی خدا کو نہیں پہچانتا ہے۔

3. احکامات الٰہیہ پر عمل کرنے کا شوق پیدا کرنا: اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کا شوق پیدا کرنا اساتذہ اور والدین کی ذمہ داری ہے بچے والدین اور اساتذہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اسے بعد میں یہودی یا نصرانی بنا لیتے ہیں۔ یہ قول ہمارے پیارے نبی کا ہے۔ دنیا میں شیطان کو کھلی اجازت ہے کہ وہ انسانوں کو گمراہ کرے۔ نوجوان نسل کا کردار سنوارنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن وحدیث کی باقاعدہ تعلیم سے اچھے اچھے واقعات، اندا زبیان سے طلباء میں اسلام اور ایمان کا ذوق وشوق پیدا کیا جائے طلباء کو بتایا جائے کہ "تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو قرآن خود پڑھتے ہیں اور دوسروں کو پڑھاتے ہیں" جو عالم ہیں وہ اونچی شان والے ہیں جو حافظ قرآن ہیں، ماہر قرآن ہے وہ فرشتوں سے

اونچے مرتبے کے لوگ ہیں۔قیامت میں انہیں بلند مراتب پر فائز کیا جائے گا لوگ ان پر اور ان کے والدین پر فخر کریں گے۔انہیں دنیا میں عزت اور آخرت میں بھی فضیلت نصیب ہوگی۔

4.طلباء کو اسلامی اقدار سے آگاہ کرنا:۔ اسلام کی لازوال اقدار جن میں اخلاق حسنہ،رواداری،مساوات، عدل وانصاف،اخوت ومحبت،ایثار وقربانی،ہمسائے کے حقوق،والدین کے حقوق اساتذہ کے حقوق،مسافروں سے سلوک، غلاموں اور خادموں سے برتاؤ،بچوں سے شفقت،یتیموں، بیواؤں اور بے کسوں کی مدد اور انکو بتانا اور انہیں ان باتوں پر عمل کرنے کے قابل بنانا ضروری ہے۔

5.طلباء میں اچھائی اور برائی میں فرق کرنے کا جذبہ پیدا کرنا :۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنی زندگی کا نقشہ اسلامی تعلیمات کے مطابق بنائیں۔اسلام میں جن احکامات کو کرنے کا حکم دیا ہے وہ کریں اور جن باتوں سے روکا ہے ان کے کرنے سے رک جائیں۔قرآن میں ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ:۔ "یہ کہ تم بری باتوں کے نزدیک بھی نہ جاؤ خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ"(پ۱۵ بنی اسرائیل)۔

طلباء میں اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کا مادہ اسلامیات کی تعلیم سے پیدا ہوگا۔

6.طلباء کے دلوں میں صحیح اسلامی روح پیدا کرنا:۔ تدریس اسلامیات کا ایک مقصد یہ ہے کہ طلباء کو اسلام سے محبت ہو ان میں خوف خدا،اطاعت رسول کا جذبہ پیدا ہو۔وہ معاشرے کے لیے مفید شہری ملک کے لیے اور دنیا کے لیے مفید انسان بن جائیں۔اسلامی آئین وملکی قوانین پر عمل کرنے والے بن جائیں۔

7.طلباء کو اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی ترغیب دینا:۔ رسولؐ خدا کی ساری زندگی مسلمانوں کے لیے ایک نمونہ ہے۔اس کی پیروی اور سنت رسولؐ سے آگہی ہمیں اسلامیات کی تعلیم میں ملے گی۔رسولؐ خدا نے فرمایا۔"تم میں سے کوئی شخص مسلمان نہیں سکتا،جب تک وہ مجھے اپنے والدین اور اولاد سے زیادہ چاہنے والا نہ ہو"۔قرآن کریم میں فرمایا "رسول تمہیں جو ہدایت دے اسے پکڑلو اور جس بات سے روکے رک جاؤ"۔خدا کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسولؐ شرط اولین ہے۔شریعت کے اصول اور قوانین پر عمل اس وقت ہوگا جب ہم اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے والے بنیں گے۔شیخ رسولؐ خدا کی ذات گرامی ہمارے لیے سراج منیر ہے اور ان کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ ہمارے لئے مانند ستارہ ہیں جو ظلمت میں ہمیں رہبری اور راہنمائی عطا کرتے ہیں تدریس اسلامیات کی بدولت سیرۃ النبی اور سیرت صحابہؓ کا ادراک ہوگا۔

8.طلباء کو دین اور دنیا میں توازن بتانا:۔ اسلام سراسر خیر خواہی کا دین ہے۔دنیا اگر دین کے ماتحت ہو تو خیر ہے۔اسلامی تعلیمات کے ذریعہ طلباء کو یہ ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ اسلام میں روح اور مادہ ایک دوسرے سے جدا نہیں، بلکہ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔اور نہ ہی یہ بات کہ انسان دولت کا بندہ بن کر خدا کی ہستی کا منکر بن جائے اسے اسلامی تعلیمات ہمیں حلال روزی کمانے اور اس رزق سے اپنے اور دوسروں کی جائز حاجات پورا کرنے کا سبق دیتی ہیں۔جائز حدود میں رہ کر جو بھی کمایا جائے اجازت ہے قرآن میں ارشاد باری ہے۔**ترجمہ:۔** "زمین سے حلال اور پاکیزہ رزق کھاؤ اور شیطٰن کی پیروی کرو" اسلام میں حد سے بڑھنے سے منع فرمایا ہے فراوانی دولت جو کہ گمراہی کا سبب بن سکے کو انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے ہلاکت خیزی سے بچایا گیا ہے امانت،دیانت،صداقت،شرافت کا سبق دے کر یہ بتایا گیا کہ دنیا

کی امامت کے لیے دین کی ان تعلیمات پر عمل ضروری ہے۔

9.طلباء میں تقابل ادیان کی صلاحیت پیدا کرنا:۔ اسلام سے پہلے دنیا میں بہت سے مذاہب گزرے جن کے پیروکار آج بھی ہیں۔تورات،زبور،انجیل،آسمانی کتب مانی جاتی ہیں۔مگر انکی تعلیمات آج اصل شکل میں نہیں ہیں۔دنیا میں بہت سے مذاہب پیدا ہوئے اور مٹ گئے۔ان کی تعلیمات ابدی وآفاقی نہیں تھیں۔جبکہ اسلام وہ دین ہے جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے جو اسلام کے سوا اور کسی راستہ پر چلے گا اس کا یہ عمل قبول نہیں ہوگا۔اسلام کی حقانیت دیگر مذاہب سے روشن ہے۔دنیا میں مکمل تعلیمات کا حامل یہی مذہب ہے۔اس کی اساس قرآن ہے اور سنت رسولؐ ہے۔ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا ہے۔اس کے ساتھ اس مذہب میں دیگر مذاہب کے ساتھ رواداری اختیار کرنے کی تعلیم ہے۔یہ نصیحت کا مذہب ہے۔خیر خواہی اور انسانیت کی فلاح کا ضامن ہے۔تدریس اسلامیات کی بدولت طلباء کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ دین اسلام اور دیگر مذاہب میں تمیز کر سکیں۔

10.طلباء میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ پیدا کرنا:۔ انسانیت کی فلاح اور ہدایت کے لیے انبیاء کرام آئے۔اور آخر میں ہمارے پیارے رسول ﷺ مبعوث ہوئے۔قرآن میں ارشاد ہے ترجمہ:"اے نبیؐ ہم نے آپ کو شاہد،مبشر اور رسول بنا کر بھیجا۔خدا کے حکم سے لوگوں کو دعوت اسلام دینے والا اور روشن سورج بنا کر بھیجا" اور پھر امت کا منصب واضح فرمایا۔**ترجمہ:۔** "تم بہترین امت ہو لوگوں کی بھلائی کیلئے تمہیں چنا گیا تم اچھائی کا حکم کرنے والے ہو اور برائیوں سے روکنے والے ہو۔" جو کام نبیوں والا تھا وہ اب ہمارے علماء کرام کے ذمے ہے۔ہمارے ذمے ہے کہ ہم لوگوں کو غیر مسلم کو دین اسلام کی دعوت دیں آپس میں دین کی تعلیم وتبلیغ کریں۔اپنے اہل وعیال کو دین سکھائیں اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو خدا کے ہاں مجرم ہونگے گناہ گار ہونگے چنانچہ تعلیمات اسلامیہ کے ذریعہ طلباء کو دین سے آگہی دلائی جائے انہیں عبادات معاملات سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ بھی دین اسلام کے داعی اور بھلائی کا حکم دینے والے برائی سے روکنے والے بن جائیں۔خدا ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

حکومت کے نصابیاتی اقدامات کا جائزہ

1. پہلی جماعت سے ہی اسلامی تعلیمات کو اہمیت دی گئی ہے۔
2. یہ نصاب عمدہ سیرت کی تشکیل میں مدد کرتا ہے بچوں کو اعلی اخلاق کی خصوصیات سے آگاہ کیا گیا ہے۔
3. سمعی وبصری اعانتوں کا استعمال اسلامیات میں بھی ضروری سمجھا گیا ہے۔
4. طلباء کی ذہنی استعداد اور عمر کے مطابق نصاب مرتب کیا گیا ہے۔
5. انصاب میں لچک پذیری ہے اور اصلاح احوال کی گنجائش سے انکار نہیں کیا گیا یعنی بوقت ضرورت اس میں ترمیم وتنسیخ کی جاسکتی ہے۔
6. تاریخ اسلام سے بھی بچوں کو واقفیت دلائی گئی ہے۔
7. سیرت النبیؐ سے طلباء میں صحیح اسلامی جذبہ بیدار کرنے میں بہت مدد ملی ہے۔